حضرت مجدد الفِ ثانی علیہ الرحمہ

حضرت مجدد الفِ ثانی علیہ الرحمہ

حالات، افکار و خدمات

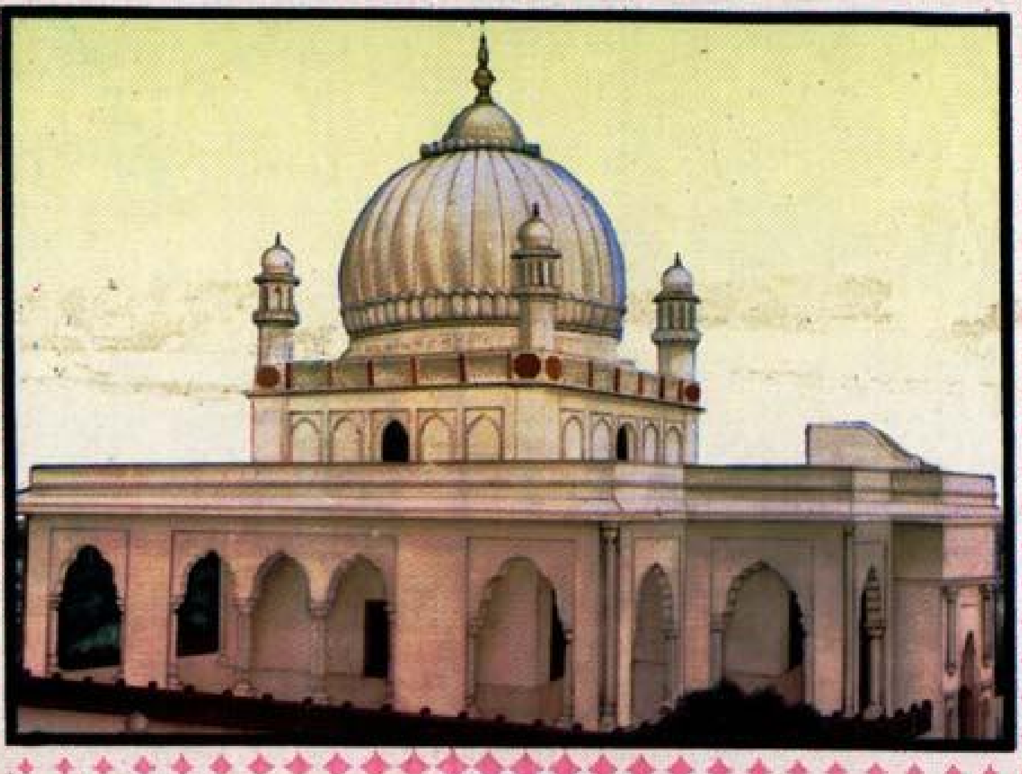

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی

اِدارۂ مسعودیہ کراچی

Idara-e-Mas'udia, Karachi

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مجدّد الف ثانی علیہ الرحمہ

حالات، افکار و خدمات

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

ادارہ مسعودیہ
۶/۲، ۵۔ ای، ناظم آباد
کراچی۔ پاکستان

حقوق طباعت بحق ادارہ محفوظ ہیں

(سلسلہ مطبوعات نمبر)

نام کتاب	حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ
مصنف	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
طابع و ناشر	حاجی محمد الیاس نقشبندی مجددی
طباعت	۱۴۱۶ھ / ۱۹۹۵ء
اشاعت	اول
قیمت	پچاس روپے

ملنے کے پتے

۱۔ ادارۂ مسعودیہ، ۴/ ۶، ۵۔ای، ناظم آباد، کراچی (سندھ)

۲۔ مظہری پبلی کیشنز، اے۔۴۶۰۶، پی آئی بی کالونی، کراچی (سندھ)

۳۔ مختار پبلی کیشنز، ۲۵۔ جاپان مینشن، ریگل، صدر، کراچی (سندھ)

۴۔ شہزاد۔ پبلی کیشنز، ۲۷۴/ بی، گل گشت کالونی، ملتان (پنجاب)

۵۔ مکتبہ قادریہ، جامع نظامیہ، اندرون لوہاری گیٹ، لاہور (پنجاب)

۶۔ مکتبہ نعمانیہ، اقبال روڈ، سیال کوٹ (پنجاب)

۷۔ منزل خیر، شارع ابوالخیر، کوئٹہ (بلوچستان)

۸۔ دربار عالیہ مرشد آباد شریف، بالمقابل آڈٹ کالونی، کوہاٹ روڈ، پشاور (سرحد)

۹۔ جامع مسجد الفردوس، اکہار، ضلع کوٹلی (آزاد کشمیر)

فہرس

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱----	پیش لفظ	۱۱
	(۱)	
۲----	خاندان	۱۹
۳----	ولادت باسعادت	۲۲
۴----	تعلیم و تعلم	۲۳
۵----	سفر اکبر آباد	۲۵
۶----	نکاح	۲۷
۷----	اکتساب فیض	۲۷
۸----	پہلا سفر (دہلی)	۲۹
۹----	دوسرا سفر (دہلی)	۳۶
۱۰----	تیسرا سفر (دہلی)	۴۱
۱۱----	چوتھا سفر (دہلی)	۴۲

(۲)

۱۲---- اکبراور اس کا عہد ۴۴
۱۳---- پہلا دور ۴۶
۱۴---- دوسرا دور ۵۳
۱۵---- تیسرا دور ۶۲
۱۶---- اکبر کی موت ۶۹
۱۷---- اکبری دور، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی نظر میں ۷۳

(۳)

۱۸---- وحدت الوجود اور وحدت الشہود ۸۲
۱۹---- شریعت و طریقت ۹۸
۲۰---- احیاء شریعت ۱۰۳

(۴)

۲۱---- واقعہ اسیری ۱۲۱
۲۲---- زمانہ اسیری کی مراسلت ۱۳۷
۲۳---- رہائی ۱۴۲
۲۴---- جہانگیر پر اثرات ۱۴۵

(۵)

۲۵----	سانحہ وصال	۱۵۸
۲۶----	کیفیت غسل	۱۶۳

(۶)

۲۷----	مقام حضرت مجدد علیہ الرحمہ	۱۶۸
۲۸----	اولاد امجاد	۱۷۷
۲۹----	تصانیف حضرت مجدد علیہ الرحمہ	۱۹۲

(۷)

۳۰----	رجالیات	۱۹۹
۳۱----	کتابیات	۲۰۲

(٦)

اے ساقی!

تین سو سال سے ہیں ھند کے مے خانے بند
اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی !

ڈاکٹر محمد اقبال

انتساب

ان شیروں کے نام

جنہوں نے.....

- عزیمت کے دیئے جلائے
- دانائی و حکمت کے چراغ روشن کئے
- سیلابوں کے رخ موڑ دئے
- اندھیروں میں اجالا کیا
- طوفانوں کے منہ پھیر دئے
- بھٹکے ہوؤں کو راہ پر لگایا
- جینے کا حوصلہ دیا
- موت کے آئینے میں زندگی کا چہرہ دکھایا
- دشمنوں کو سینے سے لگایا

○ خون کے پیاسوں کو معاف کر دیا

○ تدبر و تحمل سے کشتی کو پار لگایا

○ ملت کی کایا پلٹ دی

○ شاہوں کو قدموں پر جھکایا

○ گنہ گاروں کو نیکو کار بنایا

○ ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا

جو-----

○ ابر بن کر چھا گئے

○ بادل بن کر برس گئے

○ پھول بن کر کھل گئے

○ فضاؤں کو مہکا گئے

○ دلوں کو زندہ کر گئے

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ

بسم الله الرحمن الرحيم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

ابتدایہ

پیش نظر مقالہ آج سے ۳۵ سال قبل لکھا گیا تھا۔ یہ مقالہ ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) میں جون ۱۹۶۱ء سے فروری ۱۹۶۲ء تک نو قسطوں میں شائع ہوا۔ اس کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا ارادہ تھا مگر یہ مقالہ تو کتابی صورت میں شائع نہ ہو سکا البتہ اس کی اساس پر ایک بسیط مقالہ "سیرت مجدد الف ثانی" کے عنوان سے مرتب کیا گیا جو ۱۹۷۶ء میں مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی نے شائع کیا، یہ ۴۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ راقم ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء تک دیگر موضوعات کے علاوہ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ پر مسلسل لکھتا رہا، بیرونی ممالک میں جو فضلاء و محققین حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ پر تحقیق کر رہے تھے ان سے بھی رابطہ رہا پھر ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۴ء تک شاہ احمد رضا خان محدث بریلوی علیہ الرحمہ پر کام کیا اس عرصے میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے حوالے سے بیرونی ممالک کے فضلاء و محققین سے رابطہ نہ رہا یقیناً ۲۵ سال کے اس طویل عرصے میں بہت کام ہوا ہو گا...... چند سال ہوتے ڈاکٹر احمد مرزا نے امریکہ میں "نقشبندی فاؤنڈیشن فار اسلامک ایجوکیشن" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا ہے، اسی طرح اور بہت سے ادارے کام کر رہے ہیں۔ پاکستان میں بھی بعض احباب "ادارہ معارف مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ" کے نام سے ایک ادارہ قائم کر رہے ہیں، امید ہے کہ اس ادارے کی نگرانی میں کام آگے

بڑھے گا اور حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ پر اب تک دنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں جو کام ہو چکا ہے اس کی تفصیلات منظر عام پر لائی جائیں گی۔ پیش نظر مقالہ ادارۂ مسعودیہ، کراچی شائع کر رہا ہے، مولیٰ تعالیٰ ناشر کو اجر عظیم عطا فرمائے خصوصاً حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری مدظلہ العالی کو اپنے کرم خاص سے نوازے کہ انہوں نے بھرپور تعاون فرما کر دوسرے مشائخ کرام کے لئے ایک مثال قائم کی ہے۔ آمین ثم آمین!

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ عالم اسلام کے ان مشاہیر میں سے ہیں جن کے افکار و نظریات نے عالم اسلام کو متاثر کیا۔ آپ کے افکار و خیالات میں دور جدید کے مسائل و مشکلات کا حل موجود ہے غالباً اسی لیے عہد جہانگیری کے جلیل القدر عالم علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمہ نے (جو حضرت مفتی ضیاء الدین قادری مدنی علیہ الرحمہ کے اجداد کرام میں سے ہیں) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو دوسرے ہزارہ ہجری کا مجدد قرار دیا، پہلی بار آپ کو "مجدد الالف الثانی" تحریر فرمایا اور عالم اسلام نے تسلیم کیا۔ آپ کا نام نامی "احمد" ہے مگر آپ "مجدد الف ثانی" مشہور ہوئے۔ ایک حدیث پاک میں بھی آپ کی ذات اقدس کی طرف اشارہ ملتا ہے۔ حضرت جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے جمع الجوامع میں یہ حدیث نقل کی ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:-

"میری امت میں ایک شخص ہو گا جس کو "صلہ" کہا جائے گا،
اس کی شفاعت سے اتنے اتنے لوگ جنت میں جائیں گے"

(زبدۃ المقامات، لاہور ۱۴۰۷ھ، ص ۲۵۸)

خود حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے رمضان المبارک میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت فرمائی، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دیدار سے مشرف

فرمایا اور ایک اجازت نامہ مرحمت فرمایا جس پر تحریر تھا۔

"دنیا کے اجازت نامہ کے عوض آخرت کا اجازت نامہ دیا گیا ہے اور مقام شفاعت سے بھی حصہ عطا فرمایا ہے"۔ (مکتوبات شریف ج۔۳، مکتوب نمبر۱۰۶)

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے اس خواب کی خوشی میں اہل خانہ کو جشن منانے اور قسم قسم کے کھانے پکانے کی ہدایت فرمائی اور اظہار تشکر کے طور پر فرمایا۔

الحمد اللہ الذی جعلنی صلۃ بین البحرین (زبدۃ المقامات، ص۔۲۵۸)

(ترجمہ) شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے دو دریاؤں کے درمیان صلہ بنایا ..... "صلہ" کے معنی "پیوند" کے بھی آتے ہیں اور پیوند کا کام دو ٹکڑوں کو جوڑنا ہے ..... ان حقائق اور ارشادات سے معلوم ہوا کہ آپ ہی اس حدیث کا مصداق ہیں جو اوپر پیش کی گئی ..... آپ کے عقائد و افکار کو مختلف مکاتیب فکر کی تائید حاصل ہے اس لیے آپ کی شخصیت و فکر پر تحقیق اتحاد ملت اسلامیہ کا وسیلہ بن سکتی ہے ..... بے شک آپ "صلہ" ہیں .... ٹوٹے ہوؤں کو جوڑنے والے ..... بکھرے ہوؤں کو جمع کرنے والے ..... رحمہم اللہ تعالی .... آپ کے ذکر کے بغیر ملت مسلمہ کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی، تاریخ اسلام پر آپ کی گہری چھاپ ہے .....

بقول ڈاکٹر محمد اقبال سلسلہ عالیہ نقشبندیہ حرکی (Dynamic) ہے .... اور مولانا عبد الرحمن جامی فرماتے ہیں ع

ہمہ شیران جہاں بستہ ایں سلسلہ اند

(دنیا بھر کے سارے شیر اس سلسلے سے

وابستہ ہیں)

افغانستان، بوسنیا، چیچنیا وغیرہ کی جنگ آزادی میں سلسلہ نقشبندیہ کے مجاہدین کا خون شامل ہے ----- ہم ماضی سے روشنی بھی حاصل کرتے ہیں اور گرمی بھی ----- جو حضرات ہم کو ماضی سے بدگمان کرتے ہیں وہ ہم کو اندھیریوں میں لے جا کر زندگی سے محروم کرنا چاہتے ہیں ----- عالمی سطح پر ملت کی روح نکالنے کے لیے بڑی سرعت سے کام ہو رہا ہے، اس وقت ماضی بعید اور ماضی قریب سے رشتہ جوڑنے کی سخت ضرورت ہے، صلحائے امت کے دامن سے وابستہ ہونے کی ضرورت ہے ----- انہی صلحائے امت میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی ذات اقدس ایک منارہ نور ہے ----- آپ کے مرشد کریم حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ جب افغانستان سے ہندوستان روانہ ہونے لگے تو ان کو مرشد پاک حضرت خواجہ امکنگی علیہ الرحمہ نے یہ پیش گوئی فرمائی تھی۔

ہندوستان میں تمہارے دامن سے ایک عزیز وابستہ ہو گا جس سے عالم منور ہو گا (زبدۃ المقامات فارسی، ص۔ ۱۴۱) بے شک اس پیش گوئی کا مصداق حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ ہی ہیں ----- ڈاکٹر محمد اقبال نے برسوں پہلے اپنی آنکھوں سے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے عالمگیر اثرات کو محسوس کیا، وہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے لئے ایک جگہ لکھتے ہیں۔
آج بھی پنجاب، افغانستان، اور ایشائی روس میں ایک زندہ حقیقت ہے۔ (ملفوظات، لاہور، ص۔ ۱۲۴) یہ بات تو ماضی کی ہے لیکن اب تو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ پوری دنیا میں ایک زندہ حقیقت بن کر سامنے آیا ہے ----- گزشتہ صدی میں ایشیاء یورپ اور امریکہ وغیرہ میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی

شخصیت اور فکر پر بہت کام ہوا ہے۔ آج سے ۲۵ سال قبل
جب راقم آپ پر تحقیق کر رہا تھا مندرجہ ذیل محققین کے
مقالات و اشارات نظر سے گزرے۔

ڈاکٹر محمد اقبال، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ، ڈاکٹر شیخ محمد اکرام، ڈاکٹر معین الدین احمد، ڈاکٹر قدیر مرزا، ڈاکٹر محمد اسلم، ڈاکٹر اے ایچ رضوی، مولوی محمد منظور نعمانی، ٹی ڈبلیو آرنلڈ، ڈاکٹر آربری، سی اے اسٹوری، ہملٹن گب، ڈاکٹر یوحنا فریڈمین، مارین مولے، ڈاکٹر فری لینڈ ایبٹ، ڈاکٹر حفیظ ملک، پروفیسر عزیز احمد، پروفیسر محمد اقبال مجددی وغیرہ وغیرہ ..... بعد میں ان حضرات کی کاوشیں سامنے آئیں۔ ڈاکٹر انمیری شمل، ڈاکٹر حبیب الحق ندوی، ڈاکٹر سراج احمد، ڈاکٹر بابر بیگ مطائی، ڈاکٹر جے۔ ایم ایس بلیان وغیرہ وغیرہ۔

○

یہ سلسلہ تحقیق ۲۵ سال پہلے اتنا طویل تھا تو اب کیا عالم ہو گا.....! بہرحال حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے افکار و نظریات خصوصاً مکتوبات شریف پر مختلف زاویوں سے تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ علم و دانش کا ایک خزانہ ہے ..... اس میں مرض کا علاج بھی ہے اور درد کی دوا بھی ..... اس وقت مختلف مکاتیب فکر کے درمیان آپ کی شخصیت "صلہ" کا حکم رکھتی ہے ..... اصلاح و ارشاد کے ذریعہ انقلاب برپا کرنے کا گر سیکھنا ہو تو آپ سے سیکھئے ..... آپ کی تحریک نے علماء و مشائخ، شاہ وزیر، امیر و فقیر سب کو یکساں طور پر متاثر کیا ..... آپ کا طرز تبلیغ نہایت حکیمانہ، مدبرانہ اور عارفانہ تھا ..... بیمار قوم کو حکیم و عارف کی ضرورت ہوتی ہے ..... آج آپ کی رہنمائی میں ہم گھروں، گلیوں،

بازاروں، مسجدوں، خانقاہوں سے فساد کو سمیٹ کر امن و آشتی کی فضا پیدا کر سکتے ہیں اور اس طرح عالمی اتحاد کے لیے راہ ہموار کر سکتے ہیں۔۔۔۔۔ بقول ڈاکٹر محمد اقبال:۔

"زمانہ حال کے مسلمانوں کی نجات اسی میں ہے کہ ان لوگوں کی حیرت ناک زندگی کو زندہ کیا جائے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے زوال کی اصلی علت حسن ظن کا دور ہو جانا ہے"

(مکتوب محررہ نمبر اکتوبر ۱۹۰۴ء)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کی اوسط عمر ۶۰ اور ۷۰ سال کے درمیان ہو گی، راقم کی عمر ۶۵ سال ہو چکی ہے، آب آخرت کی تیاری ہے، راقم نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات، شمائل و فضائل کی بیان اور مسلک اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت کی جانب ساری توجہ مرکوز کر دی ہے، حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کا مقصود و مطلوب بھی یہی تھا، الحمد للہ اس سلسلے میں متعدد کتب و رسائل شائع ہو کر دنیا میں پھیل چکے ہیں۔۔۔۔ آرزو یہی ہے کہ باقی ماندہ زندگی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر و فکر میں گزر جائے تاکہ سیہ کاریوں کا کفارہ ہو جائے اور عاقبت سنور جائے آمین اللھم آمین!

احقر محمد مسعود احمد عفی عنہ
کراچی (پاکستان)

۱۵۔ مئی ۱۹۹۵ء

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہباں
اللہ نے بر وقت کیا جس کو خبردار

بقول ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء)

"حضرت مجدد رحمتہ اللہ علیہ کا وجود گرامی بھی من جملہ ان اکابر امت کے ہے جن کی تعظیم و توقیر تو حسن اعتقاد کی بناء پر بہت کی جاتی ہے لیکن ان کی زندگی کے اصل کارناموں پر پردے پڑ گئے ہیں"۔(۱)

آزاد نے حضرت مجدد (م۔ ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) کی زندگی کے کارناموں کے نظروں سے چھپے رہنے پر اظہار افسوس کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ آپ کی پوری زندگی ایک عظیم الشان کارنامہ ہے۔

سید سلیمان ندوی (م۔ ۱۹۵۳ء) نے خطبات مدراس میں لکھا ہے کہ:۔

"بہتر سے بہتر فلسفہ، عمدہ سے عمدہ تعلیم، اچھی سے اچھی ہدایت زندگی نہیں پا سکتی اور کامیاب نہیں ہو سکتی اگر اس کے پیچھے کوئی ایسی شخصیت اس کی حامل اور عامل ہو کر قائم نہیں ہے جو ہماری توجہ، محبت اور عظمت کا مرکز ہو"۔(۲)

ڈاکٹر اقبال نے ایسی ہی شخصیت کے متعلق کہا ہے۔

اس کے نفس گرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خاک چمنستاں شرر آمیز

روضہ مبارک حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ سرہند شریف، مشرقی پنجاب بھارت

ہندوستان میں ایسی ہستی شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی تھی، جو علوم نبوت کی حامل اور سنت نبوی کا پیکر تھی اور جس کے نفس گرم کی تاثیر سے چمنستان ہند کی خاک شرر بار بن گئی، دین کا بجھا ہوا چراغ ایک مرتبہ پھر روشن ہو گیا اور اپنی نورانی شعاعوں سے بدعات و اوہام کی تاریکی دور کر کے سنت کے نور سے ارض ہند کو منور کر دیا، آئندہ سطور میں اسی روشنی کی ایک جھلک دکھانا ہے۔

خاندان حضرت مجدد علیہ الرحمہ

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات (۱۰۳۷ھ/۸-۱۶۲۷ء) میں حضرت مجدد کا شجرۂ نسب اس طرح لکھا ہے:-

"شیخ احمد بن شیخ عبدالاحد بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبدالحئ بن شیخ حبیب اللہ بن شیخ امام رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحاق بن شیخ عبداللہ بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین فرخ شاہ کابلی بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ (واعظ الاصغر) بن شیخ عبداللہ (واعظ الاکبر) بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ابراہیم بن شیخ ناصر بن حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین" (۳)

شاہ محمد فضل اللہ (م۔ ۱۲۴۱ھ)، عمدۃ المقامات (۱۲۳۳ھ) میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

"حضرت مجدد کے چودھویں جد شیخ سلطان شہاب الدین المعروف بہ فرخ شاہ کابلی والی کابل تھے، آپ نے کئی بار ہندوستان پر لشکر کشی کی، کفار سے جہاد کیا، بتوں کا قلع قمع کیا اور اسلام کی ترویج و اشاعت کی، بارہا بکثرت مال غنیمت لے کر فتح و نصرت کے ساتھ ہندوستان سے لوٹے، آخر میں ترک سلطنت کر کے فقر اختیار کر لیا اور سلسلہ چشتیہ میں بیعت ہو گئے، کوہستان کابل میں سکونت اختیار کی، مخلوق کو اپنے روحانی فیوض و برکات سے مستفیض فرماتے رہے اور یہیں انتقال فرمایا، شیخ ضیاء الحق علیہ الرحمہ نے یہاں خانقاہ اور مسجد تعمیر کرائی ہے، آج کل یہ موضع درہ فرخ شاہ کے نام سے مشہور ہے"(۴)

حضرت مجدد کے پانچویں جد شیخ امام رفیع الدین، حضرت جلال الدین بخاری کے مرید اور خلیفہ تھے، اپنے مرشد کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے، جب یہ دونوں بزرگ موضع سرائس پہنچے (جو سرہند سے پانچ چھ کوس ہے) تو وہاں کے باشندوں نے درخواست کی کہ جب آپ (سید جلال الدین بخاری) دہلی رونق افروز ہوں تو سلطان فیروز شاہ سے فرمادیں کہ سرائس سے سامانہ آنے والوں کے لیے راستہ پر خطر ہے، کیونکہ جنگل میں وحشی درندے ہیں اس لئے ان دونوں موضعوں کے درمیان ایک شہر آباد کردیا جائے، تاکہ جو لوگ سامانہ سے مالیہ جمع کرانے سرائس آنا چاہیں تو ان کو تکلیف نہ ہو، دہلی پہنچ کر حضرت

جلال الدین بخاری نے سلطان فیروز شاہ سے سرائس والوں کی سفارش کردی، چنانچہ سلطان نے شیخ امام رفیع الدین کے برادر کلاں خواجہ فتح اللہ کو حکم دیا کہ وہ اس مقام پر جاکر شہر آباد کریں، چنانچہ موصوف دو ہزار سوار لے کر یہاں پہنچے اور قلعہ کی تعمیر شروع کردی، لیکن یہ عجیب واقعہ پیش آیا کہ ایک دن میں قلعہ جتنا تعمیر ہوتا دوسرے دن وہ سب منہدم پایا جاتا، حضرت جلال الدین بخاری کو جب اس واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے امام رفیع الدین کو سنام لکھا کہ وہ جاکر خود قلعہ کی بنیاد رکھیں اور شہر میں آباد ہوں، چنانچہ آپ نے قلعہ تعمیر کیا اور یہیں متوطن ہوگئے، یہ قلعہ پہلے موجودہ شہر سے دور تھا، اب آبادی کی وجہ سے شہر کے اندر آگیا ہے، اس شہر کو سہرند کہا جاتا تھا، جس کے معنی "بیشہ شیر" (کچھار) کے ہیں، امتداد زمانہ کی وجہ سے سہرند، سرہند ہوگیا، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت اسی شہر میں ہوئی"(۵)

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے والد بزرگوار شیخ عبدالاحد (م۔ ۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۸ء) اپنے زمانہ کے عارفان کامل میں تھے، تحصیل علم کے دوران ہی شیخ طریقت کی طلب میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی (م۔ ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء) کی خدمت میں پہنچے اور استفاضہ کیا، مگر شیخ موصوف نے تحصیل علم کی تلقین فرمائی، چنانچہ آپ تحصیل علم سے فارغ ہو کر دوبارہ حاضر ہوئے تو شیخ ممدوح کا وصال ہو چکا تھا، اس لئے ان کے خلف شیخ رکن الدین (م۔ ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء) نے آپ کی روحانی تربیت کی اور قادریہ و چشتیہ سلسلوں کا خرقہ خلافت عنایت فرمایا، اسی کے ساتھ ایک اجازت نامہ

(۹۶۹ھ) مرحمت فرمایا۔ بقول پروفیسر فرمان علی۔

"شیخ عبدالاحد تمام علوم میں مہارت رکھتے تھے اور جملہ کتب معقول و منقول بڑی صحت اور تحقیق کے ساتھ طلبہ کو پڑھایا کرتے تھے، فقہ اور اصول فقہ میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا، اس کے ساتھ ساتھ طالبین حق کو علوم باطنی سے بھی بہرہ مند کیا کرتے تھے"(۶)

ولادت حضرت مجدد علیہ الرحمۃ

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی ولادت باسعادت ۹۷۱ھ / ۱۵۶۴ء میں سرہند میں ہوئی، خواجہ محمد ہاشم کشمی تحریر فرماتے ہیں۔

"طلوع ایں آفتاب ولایت بدانچہ از تقریر شریف حضرت ایشاں کہ تخمیں می فرمودند و نیز ایں بندہ از بعضے معمران اقربائے۔ ایشاں شنود، چوں ولادت پیر بزرگوار ایشاں در حدود سنہ احدی و سبعین و تسعہ مائۃ (۹۷۱ء) وقوع یافتہ کہ "خاشع" بیاں آں سال سعادت قریں نماید و ایں در بلدہ شریفہ سرہند بودہ"(۷)

(ترجمہ) یہ آفتاب ولایت اپنے پیر بزرگوار (خواجہ محمد باقی باللہ) کی طرح ۹۷۱ء میں طلوع ہوا۔ حضرت صاحب خود بھی اندازاً یہی فرماتے تھے اور اس غلام نے بھی بعض عمر رسیدہ رشتہ داروں سے دریافت کیا تو وہ بھی یہی کہتے تھے۔ کلمہ "خاشع"

سے سال ولادت باسعادت معلوم ہو سکتا ہے ، آپ سرھند
شریف میں پیدا ہوئے۔

ڈاکٹر عنایت اللہ صاحب نے بھی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، میں یہی سنہ تحریر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"آپ ۹۷۱ھ / ۱۵۶۴ء میں سرہند (ریاست پٹیالہ مشرقی
پنجاب) میں پیدا ہوئے" (۸)

سی، اے، اسٹوری (C.A. Storey) نے بھی یہی سنہ لکھا ہے:۔

"امام ربانی، محبوب سبحانی، مجدد الف ثانی ۹۷۱ھ /
۱۵۶۳۔۴ء میں سرہند میں پیدا ہوئے"۔(۹)

تعلیم و تعلّم

حضرت مجدد نے قرآن پاک حفظ کرنے کے بعد اپنے والد بزرگوار شیخ عبدالاحد سے علوم معقول و منقول کی تحصیل کی، خواجہ محمد ہاشم کشمی اور ان کے علاوہ دیگر سوانح نگاروں نے یہی لکھا ہے کہ حضرت مجدد نے ابتداء عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا تھا مگر خود حضرت مجدد کے مکتوب سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ حفظ قرآن کی دولت قلعہ گوالیار میں نظر بندی (۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۹ء تا ۱۰۲۹ھ / ۱۶۲۰ء) کے دوران حاصل ہوئی، حضرت مجدد، اپنے صاحبزادگان خواجہ محمد سعید (م۔ ۱۰۷۱ھ / ۱۶۶۰ء) اور خواجہ محمد معصوم (م۔ ۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"دیگر ختم قرآن را تا سورہ عنکبوت رسانیدہ ام۔ شب کہ ازاں

مجلس (مجلس شاہی) برگشتہ می آیم بہ تراویح اشغال می یابم ایں دولت عظمیٰ حفظ دریں فترات کہ عین جمعیت بود حاصل گشت۔ الحمد للہ اولاً و آخراً"(۱۰)

(ترجمہ) دوسری بات یہ کہ قرآن پاک سورہ عنکبوت تک ختم ہو گیا ہے۔ رات کو جب اس مجلس (شاہی مجلس) سے واپس آتا ہوں تو تراویح میں مشغول ہو جاتا ہوں۔ حفظ قرآن کی یہ دولت عظمیٰ اس پریشانی میں حاصل ہوئی ہے جو عین جمعیت تھی۔ الحمد للہ اولاً و آخراً۔

حفظ قرآن کے بعد والد ماجد سے تحصیل علم شروع کی اور بیشتر تعلیم انہی سے حاصل کی، بعض علماء عصر سے بھی استفادہ کیا، کتب حدیث کی سند حضرت شیخ یعقوب کشمیری سے حاصل کی اور اس زمانے میں ایک مقدس عالم حضرت قاضی بہلول بدخشانی تھے، ان سے حسب ذیل کتب کا درس لیا اور سند حاصل کی، امام واحدی کی تفسیر بسیط، تفسیر وسیط، اسباب النزول، قاضی بیضاوی کی تفسیر اور دوسری تصنیفات مثل منہاج الوصول، الغایۃ القصوٰی وغیرہ اور امام بخاری کی صحیح اور دوسری تالیفات مثل ثلاثیات، ادب المفرد، افعال العباد اور تاریخ وغیر ذالک، مشکوٰۃ المصابیح، شمائل ترمذی، جامع صغیر للسیوطی اور قصیدہ بُردہ وغیرہ۔ مولانا کمال کشمیری سے عضدی پڑھی تھی، غرضیکہ ہر علم و فن کو اس کے مشہور اور مستند اساتذہ سے حاصل کیا"(۱۱)

سفرِ اکبر آباد

تحصیل علم سے فراغت کے بعد حضرت مجدد، اکبر آباد تشریف لے گئے، اور درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا، آپ کے حلقہ درس میں فضلائے عصر بھی شریک ہوتے تھے، اس زمانے میں اکبر (م۔ ۱۶۰۵ء / ۱۰۱۴ھ) تخت ہند پر متمکن تھا، اور پایہ تخت ہونے کی وجہ سے اکبر آباد علمی مرکز بنا ہوا تھا۔

اسی زمانے میں ابوالفضل (م۔ ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء) اور ان کے بھائی ابوالفیض فیضی (م۔ ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء) سے آپ کے مراسم ہوتے، یہ دونوں بھائی آپ کا احترام کرتے تھے، خواجہ محمد ہاشم کشمی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے ابوالفضل کے ایک شاگرد نے کہا کہ استاد گرامی اپنے کسی دوست کو خط لکھ رہے تھے، اثنائے تحریر میں جب تمہارے شیخ کا ذکر آیا تو تعریف و توصیف میں بہت سے القاب لکھے، حضرت مجدد دونوں بھائیوں کے یہاں اکثر جایا کرتے تھے، ایک مرتبہ فیضی کے یہاں تشریف لے گئے تو وہ تفسیر سواطع الالہام (۱۰۰۳ھ) لکھنے میں مصروف تھے، اچانک آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو کہا۔

"خوب رسیدید، موضعے از تعبیر پیش آمدہ کہ آں را بہ حروف غیر معجمہ تاویل و تفسیر نمودن متعسر شدہ، من دماغ بسیار سوختم اما عبارت دل خواہ بہ دست نیامدہ" (۱۲)

(ترجمہ) اچھے موقع پر تشریف لائے۔ ایک جگہ اٹک گیا ہوں۔ تاویل و تفسیر کے لئے حروف غیر منقوطہ نہیں ملتے۔ بہت دماغ سوزی کی مگر دل پسند عبارت نہ بنی۔

حضرت مجدد نے اسی وقت کمال بلاغت کے ساتھ صنعت غیر منقوطہ میں قلم برداشتہ ایک صفحہ لکھ دیا جس کو دیکھ کر فیضی حیران رہ گئے۔(۱۳)

ابوالفضل سے حضرت مجدد کے تعلقات خوشامدانہ نہ تھے، بلکہ غیرت مندانہ تھے، اس کا اندازہ اس ایک واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک روز آپ ابوالفضل کے یہاں تشریف لے گئے، اتفاقاً اس نشست میں ابوالفضل نے فلاسفہ کی تعریف شروع کی آپ کو ناگوار معلوم ہوئی، آپ نے فلاسفہ کے رد میں امام غزالی علیہ الرحمہ (م۔ ۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء) کا قول پیش کیا، اس پر ابوالفضل نے کہا۔

"غزالی نامعقول گفت"(۱۴)

(ترجمہ) "غزالی نے نامعقول بات کہی"

حضرت مجدد کو یہ گستاخانہ بات کہاں برداشت ہو سکتی تھی، چنانچہ جو کچھ ہوا وہ خود ابوالفضل کے ایک شاگرد کی زبانی سنئے جو اس نے خواجہ ہاشم کشمی سے اس طرح بیان کیا:۔

حضرت شیخ تو نیز از استماع ایں حروف او متغیر شدہ از مجلس او بر خاستند و در وقت بر خاستن فرمودند "اگر ذوق صحبت ما اہل علم داری ازیں حرف ہائے دور از ادب زباں باز دار"۔ و برفتند و چند روز بہ مجلس او حاضر نہ شدند تا او خود کس فرستادہ و معذرت خواستہ طلب نمود(۱۵)

(ترجمہ) تمہارے حضرت شیخ تو ان کلمات کو سن کر متغیر ہو گئے اور اس کی مجلس سے اٹھ کر کھڑے ہوتے اٹھتے ہوتے فرمایا "اگر تو علماء کی صحبت کا ذوق رکھتا ہے تو اس قسم کی بے ادبانہ کلمات سے اپنی زبان باز رکھ"۔ یہ کہہ کر آپ تشریف

لے گئے اور چند روز اس کی مجلس میں نہیں آئے حتٰی کہ ابوالفضل نے خود کسی کو بھیج کر معذرت خواہی کی اور آپ کو بلوایا۔

نکاح

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو جب اکبر آباد میں ایک عرصہ گزر گیا تو آپ کے والد ماجد حضرت عبدالاحد بے تابانہ آپ کو لینے اکبر آباد تشریف لے گئے، سرہند جاتے ہوئے واپسی میں جب تھانیسر پہنچے تو وہاں کے رئیس شیخ سلطان نے جو اکبر کے خاص مقربین میں تھے، اپنی صاحبزادی کے ساتھ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا عقد کرنا چاہا، آپ نے قبول فرمایا اور نکاح ہوگیا، اس کے بعد آپ والد ماجد کے ہمراہ سرہند تشریف لے آئے۔(۱۶)

اکتساب فیض

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے ابتداء میں اپنے والد بزرگوار شیخ عبدالاحد ہی سے روحانی فیض حاصل کیا، آپ نے چشتیہ سلسلے کا خرقہ خلافت عطا کیا، حضرت مجدد علیہ الرحمہ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"این درویش را باید نسبت فردیت از پدر بزرگوار خود حاصل شدہ بود و پدر بزرگوار او را از عزیزے شیخ کمال کیتھلی (م۔ ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء) کہ جذبہ قوی داشتند و بہ خوارق مشہور بودند بہ

دست آمده بود و نیز ایں درویش را توفیق عبادت نافلہ خصوصاً
ادائے صلوۃ نافلہ مددے از پدرے وے است و پدر بزرگوار او
را ایں سعادت از شیخ خود (شیخ عبدالقدوس م ۔ ۹۴۴ھ /
۱۵۳۷ء) کہ در سلسلہ چشتیہ بودہ اند حاصل شدہ بود" (۱۷)

(ترجمہ) اس فقیر کو نسبت فردیت اپنے والد بزرگوار سے ملی
ہے، والد بزرگوار نے اس کو ایک عزیز شیخ کمال کہتلی (م
۹۸۱ھ۔ ۱۵۷۳ء) سے حاصل کیا تھا جو جذبہ قوی رکھتے تھے،
اور خوارق میں مشہور تھے، اس کے علاوہ اس فقیر کو عبادت نافلہ
خصوصاً نماز نافلہ کی توفیق اپنے والد بزرگوار سے ملی ہے، اور
انہوں نے یہ سعادت سلسلہ چشتیہ کے ایک بزرگ شیخ
عبدالقدوس (م۔ ۹۴۴ھ / ۱۵۳۷ء) سے حاصل کی تھی۔

شیخ کمال کہتلی نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو ایام طفولیت میں توجہ خاص سے
نوازا تھا اور نسبت قادریہ بخشی تھی، بعد میں خرقہ خلافت اور اجازت بھی عطا فرمایا، اس
واقعہ کی تفصیل خواجہ محمد ہاشم کشمی نے یوں لکھی ہے:۔

جب آپ پہلی مرتبہ خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ (م۔
۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) کی صحبت سے مستفیض ہو کر دہلی سے
واپس سرہند تشریف لائے تو ایک روز مریدین کے حلقہ میں
مراقبہ فرمارہے تھے، اثنائے مراقبہ میں شاہ سکندر (۱۰۲۳ھ۔
۱۶۱۴ء) نبیرہ شیخ کمال کہتلی، تشریف لائے اور شیخ موصوف
کا خرقہ آپ کے شانوں پر ڈال دیا، حضرت مجدد علیہ الرحمہ
جب مراقبہ سے فارغ ہوتے تو اس کو زیب تن فرمایا، اور مکان

کے اندر تشریف لے گئے، کچھ دیر کے بعد باہر تشریف لاتے تو فرمایا۔

"بعد از پوشیدن خرقہ۔ حضرت شاہ کمال قضیہ عجیب روئے داده" (۱۸)

(ترجمہ) خرقہ۔ پہننے کے بعد عجب معاملہ پیش آیا!

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو سلسلہ نقشبندیہ میں خرقہ خلافت خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ نے عطا فرمایا تھا، ان تینوں نسبتوں کا آپ اس طرح ذکر فرماتے ہیں۔

"ارادت من بہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہ وسائط کثیرہ است در طریقہ نقشبندیہ بست و یک واسطہ درمیان است، و در طریقہ قادریہ بست و پنج و در طریقہ چشتیہ بست و ہفت" (۱۹)

(ترجمہ) مجھے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ وسلم سے۔ بہت سے واسطوں سے نسبت حاصل ہے۔ طریقہ نقشبندیہ پر ۲۱ واسطوں سے طریقہ قادریہ میں ۲۵ واسطوں سے، اور طریقہ چشتیہ میں ۲۷ واسطوں سے۔

تینوں سلسلوں میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو سلسلہ نقشبندیہ سے خاص لگاو۔ تھا، اس لئے اس نسبت کے متعلق ذرا تفصیل سے عرض کیا جاتا ہے۔

سفر دہلی

حضرت مجدد علیہ الرحمہ اپنے والد بزرگوار شیخ عبدالاحد کی حیات میں زیادہ تر سرہند ہی میں مقیم رہے، کچھ عرصہ کے لئے اکبر آباد تشریف لے گئے تھے، ۱۰۰۷ھ

میں والد ماجد کا انتقال ہوگیا تو ۱۰۰۸ھ میں آپ نفلی حج کے ارادے سے روانہ ہو گئے، اثنائے راہ میں جب دہلی پہنچے تو آپ کے محب خاص مولانا حسن کشمیری نے خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ سے ملاقات کی تحریک کی، چنانچہ انہیں کی تحریک سے آپ خواجہ موصوف کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے، خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ نے آپ پر بڑی شفقت فرمائی اور فرمایا۔

"۔۔۔۔۔ ہر چند ارادہ سفر مبارک درپیش دارید اما چند روز می
تواں بہ فقراء صحبت داشت، لااقل ماہے یا ہفتہ، چہ مانع است؟"
(۲۰)

(ترجمہ) گو کہ آپ ایک مبارک سفر کا ارادہ رکھتے ہیں لیکن
چند روز کے لیے ممکن ہو تو فقراء کے ساتھ رہیں، زیادہ دن نہیں
بس یہی ایک ماہ یا ایک ہفتہ، اس میں کیا حرج ہے؟

حضرت مجدد علیہ الرحمہ، خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں دو تین ماہ رہے اور اس قلیل عرصہ میں وہ کچھ پا لیا جو بہت سے طالبوں کو برسوں میں بھی نہیں ملتا، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو پہلے ہی اس کا اندازہ ہوگیا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے خلیفہ خواجہ محمد ہاشم کشمی سے فرمایا۔

"ازاں روز کہ در خدمت علیہ حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ تعلیم
طریقت گرفتم مرا بہ یقین پیوست کہ عن قریب اللہ سبحانہ، بہ
محض کرم مرا بہ نہایہ ایں راہ خواہد رسانید، ہر چند از راہ دید قصور
حال و اعمال نفی ایں یقین می نمودم صورت نمی بست و اکثر ایں
بیت ورد زبانم بود

ازیں نورے کہ از تو بردلم تافت

یقین دانم کہ آخر خواہمت یافت" (۲۱)

(ترجمہ) جس روز سے کہ فقیر نے اپنے حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ کی خدمت عالی میں تعلیم و طریقت حاصل کرنی شروع کی، اسی وقت یقین ہوگیا تھا کہ عن قریب اللہ سبحانہ و تعالیٰ محض اپنے کرم سے مجھ کو اس راستے کی معراج تک پہنچائے گا ہر چند کہ اپنی احوال واعمال پر نظر جاتی تو اس یقین کی نفی کرتا مگر چین نہیں آتا اور اکثر زبان پر یہ شعر آتا۔

اے محبوب میرے دل پر جو تیرا نور چمکا ہے
یقیناً اس کی چمک میں تجھ کو پا لوں گا

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے پیرزادگان خواجہ عبیداللہ (م۔ ۱۰۷۴ھ) اور خواجہ عبداللہ (م۔ ۱۰۷۵ھ) رحمہما اللہ تعالیٰ کے نام جو مکتوب ارسال فرمایا تھا اس میں خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ علیہ الرحمہ سے روحانی استفاضہ کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

"یہ فقیر از سر تا قدم آپ کے والد بزرگوار کے احسانوں میں غرق ہے، اس راہ میں "الف"، "با" کا سبق انہی سے لیا ہے اور اس راہ کے حروف تہجی انہی سے سیکھے ہیں اور ابتداء میں انتہا کے مدارج حاصل ہونے کی دولت انہی کی صحبت کی برکت سے حاصل کی ہے، اور "سفر در وطن" کی سعادت انہی کی خدمت کے صدقہ میں پائی ہے، ان کی توجہ شریف نے ڈھائی ماہ میں اس ناقابل کو نسبت نقشبندیہ تک پہنچا دیا اور اکابر نقشبندیہ کا "حضور خاص" عطا فرمایا، اس قلیل مدت میں جو تجلیات،

ظہورات، انوار الوان اور بے رنگینیاں اور بے کیفیاں حاصل ہوتیں ان کی شرح و تفصیل کو کیا بیان کیا جاتے؟"(۲۲)

خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ اپنے ایک مکتوب میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی باطنی استعداد و صلاحیت کا اس طرح ذکر فرماتے ہیں۔

"شیخ احمد نام مرد است از سرہند کثیر العلم و قوی العمل، روزے چند فقیر بہ او نشست و برخاست کردہ، عجائب بسیار از روز گار اوقات او مشاہدہ نمودہ بہ آں ماند کہ چراغے شود کہ عالمہا از و روشن گردد، الحمد للہ تعالیٰ احوال کاملہ او را مرا بہ یقین پیوستہ، وایں شیخ مشار الیہ برادران و اقرباء دارد ہمہ صالح و از طبقہ علماء، چندے را دعاگو ملازمت کردہ، از جواہر عالیہ دانستہ استعداد ہائے عجیب دارند، فرزندان آں شیخ کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند، بالجملہ شجرہ طیبہ اند، انبتہ اللہ نباتاً حسناً"(۲۳)

(ترجمہ) شیخ احمد سرہند کے رہنے والے ہیں، بڑے عالم اور عامل ہیں، فقیر نے چند روز ان کے ساتھ نشست و برخاست کی ہے اور بہت سی عجیب باتیں مشاہدہ کی، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ آگے چل کر ایک ایسا چراغ بنیں گے جس سے دنیا روشن ہوگی، الحمد للہ ان کے احوال کامل کو دیکھ کر مجھے اس بات کا یقین ہوگیا ہے، شیخ مذکور کے بھائی اور رشتہ دار بھی ہیں اور سب کے سب نیک اور صالح ہیں اور طبقہ علماء میں سے ہیں ان میں سے چند سے اس دعاگو نے بھی ملاقات کی ہے جواہر عالیہ ہیں اور عجیب صلاحیتیں رکھتے ہیں شیخ مذکور کے صاحبزادگان جو ہنوز بچے ہی ہیں اسرار

الٰہی ہیں، ایک ایسا شجرہ طیبہ ہیں جس کو اللہ نے بڑھایا اور خوب بڑھا۔

غرض حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ کی صحبت سے "ترقیات عالیہ اور عروجات متعالیہ" حاصل کیں اور اس میں شک نہیں کہ ان ترقیات و عروجات کا سہرا مولانا حسن کشمیری کے سر ہے، حضرت مجدد علیہ الرحمہ، موصوف کو ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"فقیر در ادائے شکر نعمت دلالت شما اعتراف بہ قصور دارد و در مکافاتِ آن احسان شما معترف بہ عجز، ایں کاروبار مبنی بر آں نعمت است و ایں دید و داد مربوط بہ آں احسان، بہ حسن توسط شما آں دادہ اند کہ کم کسے دیدہ است و بہ یمن توصل شما آں بخشیدہ اند کہ کم کسے چشیدہ "(۲۲)

(ترجمہ) فقیر آپ کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا اور اس احسان کا بدلہ اتارنے سے قاصر ہے، یہ ساری روحانی ترقیاں اور یہ سارے مشاھدات آپ کے اس انعام پر مبنی ہیں اور اسی سے وابستہ ہیں۔ آپ کے توسط سے جو کچھ دیا گیا ہے کہ کسی کو کیا دیا گیا ہو گا! اور آپ کی ملاقات کی برکت سے وہ کچھ عطا کیا گیا ہے کہ کسی کو کیا عطا کیا گیا ہو گا!

خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ نے فیضیاب کرنے کے بعد آپ کو بیعت کرنے سے پہلے کے کچھ واقعات سنائے، جن سے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی روحانی عظمت پر روشنی پڑتی ہے، خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ نے فرمایا۔

"جب فقیر کے شیخ طریقت خواجہ امکنگی علیہ الرحمہ (م ۱۰۰۸ھ

۱۵۹۹ء) نے فقیر کو ہندوستان جانے کا حکم دیا تو اپنے کو اس سفر کے شایان شایان نہ پا کر فقیر نے تواضعاً پس و پیش کیا، خواجہ موصوف نے استخارے کے لئے فرمایا، استخارہ کیا تو خواب میں دیکھا کہ ایک شاخ پر طوطا بیٹھا ہوا ہے، دل میں یہ خیال آیا کہ اگر یہ طوطا شاخ سے اڑ کر ہاتھ پر آ بیٹھے تو اس سفر میں کچھ سہولت ہو جائے، معاً وہ طوطا اڑ کر فقیر کے ہاتھ پر آ بیٹھا، فقیر نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اس نے فقیر کے منہ میں شکر ڈالی" (۲۵)

دوسرے روز خواجہ امکنگی سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا۔

"طوطا ہندوستانی جانور ہے، ہندوستان میں تمہارے دامن سے ایک ایسا عزیز وابستہ ہو گا جس سے عالم منور ہو گا اور تم بھی اس سے مستفیض ہو گے" (۲۶)

چنانچہ خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ کابل سے روانہ ہو کر لاہور پہنچے، پھر وہاں سے دہلی روانہ ہوئے، راستہ میں سرہند سے گزر ہوا، اس شہر میں جو واقعہ پیش آیا وہ خواجہ موصوف نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے اس طرح بیان فرمایا۔

"جب فقیر تمہارے شہر سرہند میں پہنچا تو عالم واقعہ میں دکھایا گیا کہ تو "قطب" کے جوار میں اترا ہے، اس "قطب" کے حلیہ سے بھی آگاہ کیا گیا، چنانچہ دوسرے روز اس شہر کے درویشوں اور گوشہ نشینوں کی تلاش میں نکلا، مگر کسی کو بھی اس حلیے کے مطابق نہ پایا اور کسی پر آثار قطبیت مشاہدہ نہیں کئے، ناچار یہی سمجھا کہ شاید اہل شہر میں آئندہ کوئی اس قابل ہو گا،

جونہی کہ فقیر نے تم کو دیکھا تمہارا حلیہ اس حلیہ کے عین موافق پایا اور اس قابلیت کے آثار بھی تم میں مشاہدہ کئے" (۲۷)

خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ نے ایک اور واقعہ کا اس طرح ذکر فرمایا:۔

"فقیر نے دیکھا کہ ایک بڑا چراغ روشن کیا گیا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی روشنی بڑھتی گئی۔ لوگ اس سے ہزاروں چراغ روشن کر رہے ہیں، حتیٰ کہ میں سرہند کے قریب پہنچا تو وہاں کے دشت و در کو چراغوں سے منور پایا۔ یہ اشارہ بھی تمہاری ہی طرف تھا" (۲۸)

غرض حضرت خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو فیض و برکات سے مالا مال کر کے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کا خرقہ اور اجازت مرحمت فرمائی اور سرہند رخصت فرمایا

"اللہ! اللہ! دیار مقدس کا راہی ابھی منزل مقصود تک بھی نہ پہنچا تھا کہ راستے ہی میں نوازا گیا، طلب صادق ہو تو کیا نہیں ملتا، جو مانگئے وہ ملتا ہے، بلکہ سچ پوچھئے تو بن مانگے بھی ملتا ہے، دہلی سے واپس لوٹتے ہوئے۔ بہ صد نازش و افتخار فرماتے ہیں:۔

"باز آمدیم با صد ہزار خلعت و فتوح" (۲۹)

(ترجمہ) ہم ہزار خلعتوں اور کامیابیوں کے ساتھ واپس لوٹ رہے ہیں۔

دیکھنے والی آنکھوں نے تو یہ دیکھا کہ دیار محبوب کی طرف جانے والا، راستہ ہی سے واپس آگیا، شاید نامراد آیا ہو! ۔۔۔ مگر کسی کو کیا معلوم کہ برق نظر کہاں گری اور اپنا کام کر گئی،

زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں۔

"ایں فقیر بہ یقیں می دانست کہ مثل ایں صحبت اجتماع و مانند آں تربیت ارشاد بعد از زمان آں سرور علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ و التسلیمات ہرگز بہ وجود نہ آمدہ است و شکر ایں نعمت بجای آرد کہ اگرچہ بہ شرف صحبت خیر البشر علیہ و علیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام مشرف نہ شدیم بارے از سعادت ایں صحبت محروم نماندیم (۴۰)

(ترجمہ) یہ فقیر یقینی طور پر جانتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے بعد اس قسم کی صحبت اور تربیت و ارشاد ہرگز وجود میں نہیں آئی ہوگی، فقیر اس نعمت کا شکر ادا کرتا ہے کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف صحبت سے مشرف نہیں ہوا لیکن اس صحبت کی سعادت سے بھی محروم نہیں رہا۔

دوسرا سفر

دہلی سے سرہند آنے کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمہ دوبارہ خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں دہلی حاضر ہوتے، اور عرصہ دراز تک شیخ کی صحبت فیض اثر سے مستفیض ہوتے رہے، ان صحبتوں نے دونوں بزرگوں کے درمیان

موانست و مودت میں. بہت اضافہ کر دیا، شہزادہ داراشکوہ (م۔ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء) نے اس کمال محبت اور باہمی کمال ادب و احترام کو عجائبات زمانہ میں شمار کیا ہے، صاحب مراۃ العالم اور صاحب مراۃ۔ جہاں بھی عجائبات میں شمار کرتے ہیں، خواجہ محمد ہاشم کشمی تحریر فرماتے ہیں۔

"ایں صحبت و معاملہ کہ میاں ایں پیر وایں مرید قدس سرہما بہ ظہور رسیدہ کم کسے شنیدہ و از عجائب روزگار است و موجب حیرت الوالابصار" (۳۱)

(ترجمہ) یہ صحبت و سلوک جو ان دونوں پیر و مرید کے درمیان دیکھا گیا کسی اور کے متعلق نہ سنا گیا۔ یہ زمانہ کے عجائبات سے ہے جس کو دیکھ کر آنکھ والے حیرت زدہ رہ جاتے ہیں۔

یہ اس مرید کے خیالات ہیں جس کو خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے میر محمد نعمان برہان پوری (م۔۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء) کو خط لکھ کر بلوایا تھا۔

"خواجہ ہاشم را فرستند کو چند روز در صحبت باشد و اخذ بعض علوم و معارف نماید کہ جوان قابل ظاہر می شود، مشارالیہ مربا۔ شما است ومذاق دان شما" (۳۲)

(ترجمہ) خواجہ ہاشم کو بھیجدیں تاکہ وہ چند روز صحبت میں رہ کر بعض علوم و معارف حاصل کرے وہ قابل جوان معلوم ہوتا ہے۔ موصوف آپ کا تربیت یافتہ اور مزاج شناس ہے۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی خدمت میں دو برس رہے، سی۔اے۔اسٹوری لکھتا ہے۔

"۱۰۳۱ھ / ۲۔۱۶۲۱ء میں (محمد ہاشم کشمی) شیخ احمد سرہندی

کی خدمت میں حاضر ہوتے اور تقریباً دو سال تک مستقل آپ
کی خدمت میں رہے "(۴۳)

اس لئے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے بارے میں آپ کے بیانات ہر حیثیت سے مستند اور قابل اعتبار ہیں، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے متعلق موصوف ایک اور واقعہ میر محمد نعمان (م ۱۰۵۸ھ۔۱۶۴۸ء) کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

" روزے حضرت ایشان در حجرہ خود بر عریش خود غنودہ بودند ناگاہ حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ تنہا بہ شیوہ سائر درویشاں بہ قصد دریافت ایشاں بہ در حجرہ رسیدند خادم حضرت ایشاں خواست کہ حضرت ایشاں را بیدار کند حضرت خواجہ بہ مبالغہ تمام او را از بیدار کردن منع فرمودند وہم چناں بہ نیاز و ادب تمام برون و نزدیک آستانہ انتظار بیداری حضرت ایشان می کشیدند، لمحہ بگزشتہ بود کہ حضرت ایشان بیدار شدہ آواز دادند کہ "بیرون در کیست؟" ۔۔ حضرت خواجہ بہ ادب تمام گفتند کہ "فقیر محمد باقی" حضرت ایشان از عریش خود بہ اضطراب برجستہ بروں آمدہ بہ افتقار وانکسار تمام در خدمت نشستند "(۴۴)

(ترجمہ) ایک روز حضرت (حضرت مجدد علیہ الرحمہ) حجرہ میں تخت پر آرام فرمارہے تھے کہ خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ تن تنہا دوسرے درویشوں کی طرح آپ کو بھی دیکھنے آتے، حجرے کے دروازے پر پہنچے تو خادم نے چاہا کہ حضرت صاحب کو بیدار کردے مگر حضرت خواجہ نے سختی سے منع فرمادیا اور نیاز و ادب کے ساتھ دروازے کے باہر آستانے کے نزدیک حضرت

کے جاگنے کے منتظر رہے تھوڑی دیر میں حضرت کی آنکھ کھلی تو (آہٹ سن کر) آواز دی کہ "باہر کون ہے؟" حضرت خواجہ نے بڑے ادب کے ساتھ فرمایا "فقیر محمد باقی"۔ حضرت صاحب (آواز سنتے ہی) تخت سے مضطربانہ اٹھ کھڑے ہوئے، اور باہر آ کر نہایت عجز و انکسار کے ساتھ حضرت خواجہ کی خدمت میں بیٹھ گئے۔"

دہلی میں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمہ سرہند واپس تشریف لے گئے، اس سفر نے آپ کی روحانی ترقی میں چار چاند لگا دئے، سرہند آ کر بیعت و ارشاد کا سلسلہ جاری کیا اور طالبان راہ حقیقت حلقہ بگوش ہونے لگے، خود آپ کے مرشد حضرت خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ نے مریدین کو آپ ہی کی طرف رجوع کی ہدایت کی، اس سے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے باطنی کمالات کا پتہ چلتا ہے، وہ خود تحریر فرماتے ہیں:-

"سرگرمی حضرت خواجہ ما قدس سرہ بہ تربیت طالبان تا زمانے بود کہ معاملہ مابہ انتہا نہ رسیدہ بود چوں از کار من فارغ شدند مری، گردید کہ خود را از کار مشیخت کشیدند و طلاب را بما حوالہ نمودہ فرمودند کہ "ایں تخم را از بخارا و سمرقند آوردیم و در زمین برکت آئین ہند کشتیم" (۴۵)

(ترجمہ) ہمارے حضرت خواجہ قدس سرہ طالبان طریقت کی تربیت میں اس وقت تک سرگرم رہے جب تک کہ ہمارا معاملہ انتہا تک نہیں پہنچا لیکن جب ہماری تربیت سے فارغ ہوئے تو دیکھا گیا کہ آپ نے مشیخت کی تمام ذمہ داریاں ترک کر کے

طالبان طریقت کو ہمارے حوالے کردیا اور فرمایا۔ بخارا اور سمرقند سے ہم اس بیج کو لائے تھے اور ہم نے ہندوستان کی متبرک زمین میں اس کو بو دیا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے اس قول کی تصدیق خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے ایک مکتوب سے بھی ہوتی ہے، جو انہوں نے شیخ موصوف کو بھیجا تھا، تحریر فرماتے ہیں:-

" جناب سیادت مآب، امیر صالح نیشاپوری سلمہ اللہ اظہار طلب نمودند چوں وقت مقتضی ایں نہ بود تضیع اوقات ایشاں دادن از مسلمانی نہ نمود۔ لاجرم بہ صحبت شما فرستادہ شد، انشاء اللہ بقدر استعداد بہرمند گردند و توجہ لطف کامل یابند، والدعا"

(۳۶)

(ترجمہ) جناب سیادت مآب امیر صالح نیشاپوری سلمہ اللہ نے طلب ظاہر کی تھی، چوں کہ تقاضائے وقت نہ تھا، اس لئے ان کی تضیع اوقات کو مسلمانی کے منافی سمجھا، اس لئے تمہارے پاس بھیجا گیا انشاء اللہ اپنی استعداد کے مطابق وہ بہرہ مند ہوں گے، اور کامل توجہ اور لطف خاص سے ان کو نوازا جائے گا۔

کچھ عرصہ قیام کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمہ دہلی سے سرہند تشریف لے آئے۔

تیسرا سفر

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے دہلی کا تیسرا سفر تقریباً ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء اور ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء کے درمیان خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے آخری ایام میں کیا تھا، اس مرتبہ مرشد بزرگوار نے اپنے دونوں شیر خوار فرزندوں خواجہ محمد عبیداللہ (ولادت ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء) اور خواجہ محمد عبداللہ (ولادت ۱۰۱۰ھ / ۱۶۰۱ء) کو طلب کیا اور ان پر توجہ ڈالنے کے لئے فرمایا، پھر ان دونوں کی ماؤں پر بھی غائبانہ توجہ ڈالنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے دونوں پیرزادگان کے نام جو مکتوب ارسال کیا تھا اس میں اس کا تفصیلی ذکر موجود ہے، فرماتے ہیں:۔

"اس فقیر کو تین مرتبہ حضرت کے در دولت کی عتبہ بوسی کا شرف حاصل ہوا، جب آخری مرتبہ زیارت ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ مجھ پر ضعف بدن غالب آگیا ہے (اب) امید حیات کم رہ گئی ہے تم بچوں کے احوال سے باخبر رہنا (پھر) آپ کو اپنے سامنے طلب فرمایا، اس وقت آپ دودھ پیتے بچے تھے، اس فقیر کو حکم دیا کہ "ان پر توجہ دو"، حضرت کے حکم سے ان کی موجودگی میں میں نے آپ کو توجہ دی، یہاں تک کہ اس کا اثر بھی ظاہر ہوا، اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ والدات کو بھی غائبانہ توجہ دو، چنانچہ ان کو بھی غائبانہ توجہ دی گئی، امید ہے کہ حضرت کی موجودگی کی برکت سے اس توجہ کے بھی اچھے نتائج ظاہر ہوتے ہوں گے" (۴۷)

خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا یہ آخری سفر تھا، دہلی سے واپس آنے کے بعد آپ کچھ روز سرہند میں رہے،اس کے بعد پیر بزرگوار کی ہدایت کے مطابق لاہور تشریف لے گئے اور وہاں تعلیم وارشاد کا سلسلہ جاری کیا، فضلائے عصر آپ کی صحبت سے مستفیض ہوتے مولانا جمال تلوی اکثر خدمت بابرکت میں حاضر ہوتے تھے

چوتھا سفر

ابھی حضرت مجدد علیہ الرحمہ لاہور ہی میں تھے کہ ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ کو دہلی میں حضرت خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ کا وصال ہوگیا، یہ جانکاہ خبر لاہور پہنچی تو آپ فوراً دہلی روانہ ہو گئے۔ یہ چوتھا سفر تھا، دہلی پہنچ کر مزار مبارک کی زیارت، فاتحہ خوانی اور اہل خانہ سے تعزیت کے بعد سرہند واپس تشریف لے گئے، اس کے بعد پانچویں مرتبہ مرشد کے عرس میں شرکت کے لئے دہلی تشریف لے گئے، واپسی کے بعد پھر سرہند ہی میں رہے، البتہ دو تین مرتبہ اکبر آباد تشریف لے گئے، اور آخری عمر میں جہانگیر کی مزاحمت کی وجہ سے لشکر شاہی کے ساتھ چند مقامات میں جانے کا اتفاق ہوا۔

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ کی وفات (۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) کے بعد حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنی تبلیغی مساعی کو تیز تر کردیا تاآنکہ سرزمین ہند کی کایا پلٹ گئی۔ ع

ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

اس سے قبل کہ ہم حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اصلاحی و تبلیغی مساعی کا جائزہ

لیں. بہتر ہو گا کہ اس کا تاریخی پس منظر پیش کر دیں تاکہ محرکات کا پتہ چل سکے، اس لئے اگلے باب میں دورِ اکبری کے بارے میں کچھ عرض کیا جائے گا۔

حواشی باب اول

۱ ابوالکلام آزاد:- "تذکرہ" مطبوعہ لاہور، ص ۲۵۴
۲ سلیمان ندوی:- خطبات مدراس، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۲ء، ص ۲۵
۳ محمد ہاشم کشمی:- زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء، ص ۸۹-۸۸
۴ محمد فضل اللہ:- عمدۃ المقامات، مطبوعہ لاہور، ۱۳۵۵ھ ص ۹۹
۵ زبدۃ المقامات، ص ۹۱-۸۹
۶ پروفیسر فرمان علی:- حیات مجدد، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۱
۷ زبدۃ المقامات، ص ۱۲۷
۸ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، نیا ایڈیشن، جلد اول، ص ۲۹۷
۹ سی اے اسٹوری، دی پرشین لٹریچر، جلد اول، حصہ دوم، ص ۹۸۸
۱۰ مکتوبات شریف دفتر سوم "معرفت الحقائق" (۱۰۳۲ھ / ۱۶۳۲ء) مرتبہ خواجہ ہاشم کشمی، مکتوب ۲۲، مطبوعہ امرتسر ۱۳۳۳ھ
۱۱ تذکرہ مجدد الف ثانی مرتبہ محمد منظور نعمانی، مطبوعہ لکھنؤ، ص ۵-۲۲۴ و زبدۃ المقامات، ص ۱۲۸
۱۲ زبدۃ المقامات، ص ۱۳۲
۱۳ زبدۃ المقامات، ص ۱۳۲
۱۴ زبدۃ المقامات، ص ۱۳۲
۱۵ زبدۃ المقامات، ص ۱۳۲
۱۶ کمال الدین، روضۃ القیومیہ، مطبوعہ لاہور، ص ۶۸-۶۷
۱۷ حضرت مجدد الف ثانی، مبداء و معاد
۱۸ زبدۃ المقامات، ص ۱۳۵
۱۹ مکتوبات شریف، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۸۷
۲۰ زبدۃ المقامات، ص ۱۳۹
۲۱ زبدۃ المقامات، ص ۱۲۵
۲۲ مکتوبات شریف، دفتر اول "درالمعرفت" (۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء) مرتبہ خواجہ یار محمد بدخشی، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ، حصہ چہارم، مکتوب ۲۶۶، ترجمہ از مولانا عبدالشکور، تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۲۲۷، مطبوعہ لکھنؤ
۲۳ زبدۃ المقامات، ص ۴۵
۲۴ زبدۃ المقامات، ص ۱۳۵
۲۵ زبدۃ المقامات، ص ۱۴۰-۴۱
۲۶ زبدۃ المقامات، ص ۱۴۱
۲۷ زبدۃ المقامات، ص ۱۴۱
۲۸ زبدۃ المقامات، ص ۱۴۱
۲۹ زبدۃ المقامات، ص ۱۴۶
۳۰ حضرت مجدد:- مبداء و معاد
۳۱ زبدۃ المقامات، ص ۱۵۵
۳۲ مکتوبات شریف دفتر سوم مکتوب نمبر ۱
۳۳ سی۔ اے۔ اسٹوری، پرشین لٹریچر، جلد اول، حصہ دوم، لندن، ۱۹۵۳ء
۳۴ زبدۃ المقامات، ص ۱۵۴
۳۵ زبدۃ المقامات، ص ۱۵۶
۳۶ زبدۃ المقامات، ص ۱۵۴
۳۷ مکتوبات شریف، دفتر اول، حصہ چہارم، مکتوب ۲۶۶

(۲)

عہدِ اکبری

اس سے پہلے عرض کیا گیا تھا کہ حضرت مجدد نے اپنے پیر بزرگوار خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ (م ۱۰۱۲ھ۔۱۶۰۳ء) کی وفات کے بعد اپنی تبلیغی مساعی کو تیز تر کر دیا تھا۔ اکبری عہد (۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء۔ تا ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء) کا آخری دور تھا جو تاریخ اسلام میں بد نما داغ کی حیثیت رکھتا ہے، اس میں شک نہیں کہ غیر مسلم مؤرخوں نے اکبر کو اتنا بڑھایا چڑھایا ہے کہ اس کے سامنے شاہ جہاں (م۔۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء) اور اورنگ زیب (م۔۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء) کے چراغ بھی ٹمٹماتے ہوئے نظر آتے ہیں، مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ غیر مسلموں نے ہمیشہ تاریخ اسلام کی ان شخصیات کے کردار کو خوب بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے، جنہوں نے اسلام کا استیصال کیا، اور اس کے بر عکس ان شخصیات کی کردار کشی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی جنہوں نے اسلام کی خدمت کی، بہر حال اب ہم حقائق کی روشنی میں یہ بتائیں گے کہ اکبر کا دور مجموعی حیثیت سے الحاد و بے دینی کا دور تھا جس کے رد عمل کے طور پر حضرت مجدد میدان عمل میں آئے۔

نصیر الدین محمد ہمایوں ایک دیندار اور خدا ترس بادشاہ تھا، اس کی دینداری موت کے سانحہ سے معلوم ہوتی ہے، نظام الدین احمد، طبقات اکبری میں لکھتا ہے کہ ۵ ربیع الثانی ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء۔ کو شام کے وقت بادشاہ لائبریری کی چھت سے نیچے اتر رہا تھا، اچانک اذان مغرب کی آواز آئی، سن کر فوراً بیٹھ گیا، جب اذان ختم ہوئی تو عصا پر ٹیک لگا کر اٹھا، زینہ سنگ مرمر کا تھا، سیڑھیاں پھسلواں تھیں، جونہی وہ اٹھا،

عصا پھسل گیا، ہمایوں نیچے آ رہا، شدید چوٹیں آئیں، جانبر نہ ہو سکا، بالآخر ۱۱ ربیع الثانی ۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء کو اس کا انتقال ہو گیا۔

جب ہمایوں کا انتقال ہوا تو اکبر، بیرم خاں (م۔۹۶۷ھ / ۱۵۵۹ء) کے ساتھ ضلع گورداس پور میں کلانور کے مقام پر سکندر سور کے تعاقب میں تھا، یہ اطلاع پہنچی تو بیرم خاں نے وہیں رسمی طور پر رسم تخت نشینی ادا کی اور شاہ ہند ہونے کا اعلان کر دیا گیا، اس سے پہلے دہلی میں بھی اعلان کیا جا چکا تھا۔

جب اکبر، آگرہ اور دہلی کی تسخیر سے فارغ ہوا تو آگرے میں دربار لگایا، مہمات ملکی سے فارغ ہونے کے بعد بیرم خاں نے اکبر کو تحصیل علم کی طرف متوجہ کرنا چاہا، مگر وہ اس طرف مائل نہ ہوا، اور شاہانہ مشغلوں میں منہمک رہا، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بار حکومت بیرم خاں کے کاندھوں پر تھا اور اکبر بالکل بے فکر تھا، اس سے پہلے بھی ملا عصام الدین ابراہیم، ملا بایزید، ملا عبدالقادر، ملا پیر محمد وغیرہ نے پڑھانے کی کوشش کی تھی مگر وہ بھی ناکام رہے تھے، آگے چل کر شیخ مبارک ناگوری سے بھی مبادیات عربی کی تحصیل شروع کی تھی، مگر یہ بھی ادھوری ہی رہی، بہرکیف اکبر ان پڑھ ہی رہا۔

جب بیرم خاں مکہ معظمہ جاتے ہوئے عظیم آباد پہنچا تو اس کے دشمنوں نے موقع پا کر اس کو شہید کر دیا۔ (۹۶۷ھ۔ ۱۵۵۹ء)۔ اب اکبر نے امور سلطنت میں دلچسپی لینی شروع کی، ہم اکبر کے دور کو تین ادوار پر تقسیم کر کے ہر ایک کا علیحدہ علیحدہ جائزہ لیں گے۔

پہلا دور

(۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء تا ۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء)

اپنی زندگی کے پہلے دور میں اکبر ایک دیندار سنی مسلمان نظر آتا ہے، محمد حسین آزاد، دربار اکبری میں اس دور کے متعلق مندرجہ ذیل خیالات کا اظہار کرتے ہیں، جس کی تصدیق مستند کتب تاریخ سے بھی ہوتی ہے۔

"اٹھارہ بیس برس تک اس کا یہ حال تھا کہ جس طرح سیدھے سادے مسلمان خوش اعتقاد ہوتے ہیں اسی طرح احکام شرع کو ادب کے کانوں سے سنتا تھا اور صدق دل سے بجالاتا تھا، جماعت سے نماز پڑھتا تھا، آپ اذان کہتا تھا، مسجد میں اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتا تھا، علماء و فضلاء کی نہایت تعظیم کرتا تھا، ان کے گھر جاتا تھا، بعض کے سامنے کبھی کبھی جوتیاں سیدھی کر کے رکھ دیتا تھا، مقدمات سلطنت، شریعت کے فتویٰ سے فیصلہ ہوتے تھے، جا بجا قاضی و مفتی مقرر تھے، فقراء و مشائخ کے ساتھ کمال اعتقاد سے پیش آتا تھا، اور ان کے برکت انفاس سے اپنے کاروبار میں فیض حاصل کرتا تھا......"

"شیخ سلیم چشتی کے سبب سے اکثر فتحپور رہتا تھا، محلوں کے پہلو میں سب سے الگ پرانا سا حجرہ تھا، پاس پتھر کی ایک سل پڑی تھی، تاروں کی چھاؤں اکیلا وہاں جا بیٹھتا، نوروں کے تڑکے، صبحوں کے سویرے، رحمت کے وقت مراقبوں میں خرچ ہوتے تھے، عاجزی اور نیازمندی کے ساتھ وظیفے پڑھتا، اپنے خدا سے

دعائیں مانگتا، اور نور سحر کے فیض دل پر لیتا، عام صحبت میں بھی اکثر خدا شناسی، معرفت، شریعت اور طریقت ہی کی باتیں ہوتی تھیں، رات کو علماء و فضلاء کے مجمعے ہوتے تھے، اس میں بھی یہی باتیں اور حدیث تفسیر اس میں علمی مسائل کی تحقیقیں، اسی میں مباحثے بھی ہو جاتے تھے" (۱)

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود اپنے فطری صلح کل رجحان کے تحت اس نے ہندو عورتوں سے شادیاں بھی کی تھیں، اس میں سیاسی مصالح کو بھی پورا پورا دخل ہے ۔ ۹۷۰ھ ۔ ۱۵۶۲ء کے اوائل میں اکبر، اجمیر شریف گیا، خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ (م۔ ۶۳۳ھ ۔ ۱۲۳۴ء) کے آستانے پر حاضری دی، واپسی میں جب اکبر جے پور پہنچا تو راجہ بہاری مل نے اپنی وفاداری جتانے کے لیے لڑکی پیش کی جو قبول کرلی گئی، غیر شرعی نکاح کے بعد حرم میں داخل کرلی گئی۔ سیاسی مصلحتوں کے تحت ۹۷۲ھ / ۱۵۶۴ء میں اکبر نے جزیہ بھی معاف کردیا تھا، جو بعد میں ۱۰۹۰ھ / ۱۶۷۹ء میں اورنگ زیب نے جاری کیا۔

بہر کیف اس دور میں اکبر الحاد و بے دینی کی طرف طبعاً مائل نہ تھا، غیر شرعی امور کا ظہور محض سیاسی مصلحتوں کے تحت ہوا، جو یقیناً قابل گرفت ہے۔

اکبر کے ہاں نرینہ اولاد نہیں ہوتی تھی، چنانچہ اس نے فتح پور سیکری میں شیخ سلیم چشتی (م ۹۷۹ھ / ۱۵۷۱ء) سے دعا کی درخواست کی، ۱۷۔ ربیع الاول ۹۷۷ھ / ۱۵۶۹ء میں دختر راجہ بہاری مل کچھواہہ کے بطن سے ابوالمظفر نورالدین جہانگیر تولد ہوا، جس کا نام شیخ موصوف کے نام پر تیمناً "سلیم" رکھا گیا، اس موقع پر اکبر کی صوفیاء سے عقیدت کا اس بات سے اظہار ہوتا ہے کہ وہ منت پوری کرنے آگرہ سے پا پیادہ اجمیر شریف گیا، عبدالباقی نہاوندی نے اس واقعہ کا یوں ذکر کیا ہے:۔

"شہزادہ فرخند مولود کی ولادت سے پہلے حضرت نے یہ منت مانی تھی کہ اگر خدا نے کوئی فرزند عطا فرمایا تو حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار مبارک کی زیارت کرنے پیدل جاؤں گا، چنانچہ اس منت کو پورا کرنے یوم جمعہ ۱۲ شعبان ۹۷۷ھ کو آگرہ سے پا پیادہ اجمیر شریف حاضر ہوئے۔" (۲)

ملا عبدالقادر بدایونی (م ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء) دربار اکبری کے ممتاز علماء میں تھے، موصوف کی منتخب التواریخ اس مضمون کا اصل ماخذ ہے، مگر اس سے پہلے کہ تاریخ مذکور کی روشنی میں اکبر کی زندگی کا جائزہ لیں، بہتر معلوم ہوتا ہے کہ مورخ موصوف کی زندگی پر ایک فاضلِ جلیل کا مختصراً تبصرہ بھی مطالعہ کرتے چلیں، کیونکہ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ملا عبدالقادر بدایونی متعصب و متشدد تھے، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی تحریر فرماتے ہیں:۔

"جامع فنون و فضائل" اور "امام اقران و اماثل" تھے، شیخ مبارک ناگوری اور دیگر فضلائے عصر سے کسب کمالات کیا تھا، علمی فضیلت کے ساتھ عربی نظم و نثر بھی خوب لکھتے تھے، ہندی اور حساب بھی جانتے تھے، قناعت پسند اور راست گفتار تھے۔

جلال خاں تورچی اور میر فتح اللہ شیرازی کی سفارش سے دربار اکبری میں منصب "پیش امامی" پر فائز ہوئے، چالیس سال تک فیضی اور ابوالفضل کے مصاحب رہے، موصوف کی راست گفتاری کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ اکبر بادشاہ کے چالیس سالہ واقعات کی بال کی کھال نکال کر پیش کی ہے اور

کلمہ حق کے اظہار میں اس قسم کے "صاحب داعیہ" بادشاہ کی
مخالفت کا بھی خیال نہ کیا اور آیہ "الیس اللہ بکاف عبدہ" پر
عمل کیا۔(۳)

مندرجہ بالا بیان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ملا عبدالقادر بدایونی متبحر عالم تھے، ایسے راست گفتار اور راست مزاج مورخ جو دوست و دشمن کی بھی رعایت نہ کرے اور اپنی خامیوں کے بیان کرنے میں بھی ذرا نہ جھجکے، ظاہر ہے کہ ایسے مورخ کی تالیف ہر حیثیت سے مستند ہے، خصوصاً ان حالات کی صحت میں تو کوئی شک ہی نہیں جو انہوں نے بہ چشم خود دیکھے۔

اکبر کے دینی رجحان کے بارے میں ملا عبدالقادر کا بیان ملاحظہ ہو، دور اول ہی کے بارے میں اکبر کے متعلق تحریر کرتے ہیں۔

"پانچوں وقت دربار میں نماز باجماعت کے لئے فرماتے تھے" (۴)

علماء کی قدر و منزلت کے متعلق لکھتے ہیں۔

"بادشاہ بہ بتقاضائے کمال تعظیم و تکریم گاہے گاہے احادیث
نبویہ سننے کے لئے شیخ (عبدالنبی) کے مکان پر تشریف لے
جاتے تھے، اور ایک روز تو بادشاہ نے شیخ موصوف کی جوتیاں بھی
سیدھی کی تھیں۔" (۵)

مگر یہ عزت واحترام دوسرے دور میں باقی نہیں رہا، یہی ملا عبدالنبی جلاوطنی کے دن گزار کر جب مکہ معظمہ سے واپس آئے تو ایک روز سر دربار۔

"بادشاہ (اکبر) نے بہ نفس نفیس شیخ (عبدالنبی) کے منہ پر زور
سے ایک طمانچہ رسید کیا، اس پر شیخ نے کہا کہ مجھ کو چھری سے
کیوں حلال نہیں کر دیتے۔" (۶)

اس سے قبل کہ ہم عہد اکبری کے دوسرے دور کا جائزہ لیں، مناسب ہو گا کہ پہلے ان تین کرداروں کے متعلق کچھ عرض کردیا جائے جنہوں نے اس دور میں اکبر کے ذہنی انقلاب میں نمایاں کردار ادا کیا ہے، یعنی شیخ مبارک ناگوری، ان کے دونوں صاحب زادے شیخ ابوالفیض فیضی اور ابوالفضل۔

شیخ مبارک ناگوری (م ۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء) بن شیخ خضر ناگوری متبحر عالموں میں تھے، بقول مولانا غلام علی آزاد بلگرامی موصوف نے پانچ سو ضخیم مجلدات اپنے ہاتھ سے تحریر کیں۔ آخری عمر میں گو کہ قوت باصرہ جواب دے چکی تھی، مگر محض حافظہ کی بناء پر تفسیر عیون المعانی کی چار جلدیں محرروں سے لکھوائیں۔(۷) لیکن اس تبحر علمی کے باوجود الحاد و بے دینی کے فروغ میں جو کارہائے نمایاں انجام دئے وہ ابھی آپ کے سامنے آتے جاتے ہیں۔

شیخ ابوالفیض فیضی (م۔ ۱۰۰۴ھ۔ ۱۵۹۵ء) بقول غلام علی آزاد بلگرامی، "برہان فضیلت" تھے، جب ان کی علمی لیاقتوں کی خبر اکبر تک پہنچی تو اس نے ۹۷۳ھ میں دربار میں طلبی کا حکم صادر کیا، خدمت میں حاضر ہو کر مورد عنایات شاہی ہوئے۔ "ملک الشعراء" کا خطاب پایا۔ موصوف نے صرف دو برس میں تفسیر بے نقط، سواطع الالہام (۱۰۰۲ھ۔۱۵۹۳ء) تالیف کی، فضلائے عصر نے توقیعات لکھیں، علمی دنیا میں یہ تالیف فیضی کا زبردست شاہ کار ہے، اکبر کو فیضی سے بڑی محبت تھی، جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آدھی رات کو خود عیادت کے لئے آیا اور سر کو اٹھا کر اپنے زانو پر رکھا۔(۸)

فیضی ہی کی وساطت سے ۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء میں ابوالفضل، اکبر کے دربار میں باریاب ہوا، پھر دوسری مرتبہ ۹۸۲ھ / ۱۵۷۴ء میں باریابی ہوئی اور اکبر کا منظور نظر ہوگیا۔ صاحب تذکرہ "ہفت اقلیم"، امین احمد رازی موصوف کے متعلق لکھتا

ہے:-

"آج عقل و فہم میں کوئی اس کا ثانی نہیں، باوجود اس کے وہ
شاہی خدمت میں ہر وقت اس طرح حاضر رہتا ہے جیسے جوہر کے
ساتھ عرض، مگر پھر بھی جب کبھی وقت ملتا ہے تحصیل و تحقیق
علم میں لگا رہتا ہے اور فن تحریر میں توید بیضا رکھتا ہے" (۹)

لیکن بقول ملا عبدالقادر بدایونی، مذکورہ بالا تینوں حضرات نے باوجود علم و فضل کے علمائے اسلام کی بیخ کنی کی اور سر دربار ذلیل کرایا، جس کی وجہ سے خود اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا، یہ سب کچھ انتقامی جذبے کے تحت تھا، جس کی تفصیل یہ ہے:-

"شیخ عبدالنبی اور مخدوم الملک نے شیخ مبارک ناگوری کو معتوب شاہی کرایا تھا، چونکہ اکبر شیخ سلیم چشتی سے عقیدت رکھتا تھا اس لیے موصوف راندہ درگاہ ہو کر سفارش کے لیے شیخ ممدوح کے پاس گئے، انھوں نے گجرات چلے جانے کی ہدایت کی، آخر کار مرزا عزیز کوکہ کے توسل سے شیخ مبارک ناگوری کو کھویا ہوا وقار مل گیا، اب انھوں نے علماء سے انتقام لینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا، دونوں بیٹے بھی ان کے ساتھ تھے، اس انتقام کا جو المناک نتیجہ نکلا اس کو دیکھ کر ابوالفضل خود شرمندہ ہے، ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ ابوالفضل کی زبان پر یہ رباعی جاری تھی:-

آتش بہ دو دست خویش، در خرمن خویش
چوں خود زدہ ام، چہ نالم از دشمن خویش
کس دشمن من نیست، منم دشمن خویش
اے وائے من و دست من و دامن خویش

(ترجمہ) میں نے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے خرمن میں آگ
لگائی ہے، جب خود ہی آگ لگائی ہے تو دشمن کا کیا رونا روؤں،
میں خود اپنا دشمن ہوں، میرا کوئی دشمن نہیں حیف ! میں نے
اپنے ہاتھوں سے خود اپنا گریباں چاک کر لیا۔ (۱۰)

انہی باپ بیٹوں کے انتقامی جذبے نے اکبر کو لادینیت کی طرف مائل کر دیا اور بالآخر ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء میں "دین الٰہی" کا اعلان کر دیا گیا جس کی تفصیل آگے آتی ہے، شیخ مبارک ناگوری اور ابوالفیض نے اس مذہب کو اس لیے قبول کر لیا تھا کہ یہ انہی کی مساعی کا تلخ ثمر تھا۔

پوویل پرائس (Powel Price) خاندان شیخ مبارک کے لئے لکھتا ہے:-

"شیخ مبارک کا خاندان اس راہ کو وضع کرنے کا پورا ذمہ دار ہے
جو دین الٰہی کی تشکیل کا سبب بنی، فیضی (شاعر) اور ابوالفضل
(معتمد و مؤرخ) اس دین کے خاص نمایندے تھے، ان کے ساتھ
راجہ بیربل بھی شریک تھا" (۱۱)

ابوالفضل کے متعلق تو خود جہانگیر کے یہ تاثرات تھے:-

"جس نے اپنے ظاہر کو زیور اخلاص سے آراستہ کر کے بہت
گراں قیمت پر میرے باپ کے ہاتھ بیچا تھا" (۱۲)

جہانگیر تو ابوالفضل سے اتنا متنفر تھا کہ بالآخر بیر سنگھ دیو کے ہاتھوں ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء میں اس کا سر قلم کروا کر الٰہ آباد منگوایا۔

دوسرا دور

(۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء تا ۹۸۶ھ / ۱۵۷۸ء)

۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء میں ایک عمارت تعمیر ہوئی جس کا نام عبداللہ نیازی سہرندی نے "عبادت خانہ" رکھا، یہ عبادت خانہ اسی جگہ تعمیر ہوا تھا جہاں اکبر اپنی زندگی کے پہلے دور میں:

"مراقبے فرماتے تھے اور فیض صبح گاہی حاصل کرتے تھے" (۱۳)

اسی عبادت خانے کی سرگرمیوں سے اکبر کے دوسری دور کا آغاز ہوتا ہے چونکہ اکبر کو ہر وقت اصولی و فروعی مسائل دین کی تحقیق کا ایک چسکا لگا ہوا تھا، اس لیے اس عبادت خانے میں ہر جمعہ کو رات کے وقت ایک مجلس ہوا کرتی تھی جس میں ہر مکتب فکر کے علماء و مشائخ شریک ہوتے تھے، بادشاہ الطاف خسروانہ سے بھی نوازتا تھا۔ ان ہی خسروانہ نوازشوں نے علماء کے اندر بغض و عناد کا بیج بویا۔ عبدالقادر بدایونی کے قول کے مطابق اس مجلس میں سو سے زیادہ علماء شریک ہوتے تھے۔

"مباحثین و مناظرین محقق و مقلد تقریباً سو سے متجاوز ہوں گے"۔ (۱۴)

علماء میں سب سے پہلے نشستوں پر باہمی چپقلش شروع ہوئی، اس قسم کی لچر باتوں سے اکبر کے دل میں علماء کا وقار کم ہونے لگا، اس کے بعد مسائل مختلف فیہم پر بجائے حکیمانہ اور عالمانہ تبادلہ خیال کے اس طرح لڑنے جھگڑنے لگے گویا ایک دوسرے کو کھا جائیں گے، بقول ملا عبدالقادر بدایونی:

"آپس میں تیغ زبان کھینچ کر مقابلے پر آ جاتے اور ایک دوسرے کو کھلم کھلا کافر و گمراہ کہا کرتے تھے" (۱۵)

اور شاہانہ ادب واحترام کو ملحوظ خاطر نہ رکھتے ہوتے عامیانہ طریقے پر:۔

"غصہ سے علماتے عصر کی رگیں پھول جایا کرتی تھیں اور پھر خوب ہی غل و شور مچتا" (۱۶)

حاجی ابراہیم سرہندی (م۔ ۹۹۴ھ) کے فتویٰ پر تو علماء اتنے برہم ہوتے کہ ایک دوسرے کو مارنے کے لئے اپنے اپنے عصا اٹھا لئے اس قسم کی مذہب واخلاق سے گری ہوئی باتوں کو دیکھ کر اکبر علماء سے بد ظن ہو گیا۔

علماء کے دو گروہ ہو گئے، حاجی ابراہیم سرہندی اور ابوالفضل ایک طرف اور مخدوم الملک اور مولانا عبداللہ سلطان پوری دوسری طرف اور پھر خوب خوب مقابلے ہوتے، شیخ مبارک اور فیضی بھی شریک تھے، بہرکیف ایک طرف متشدد سنی علماء اور دوسری طرف آزاد منش علماء تھے۔ پوویل پرائس (Powell Price) لکھتا ہے:۔

"اول یہ مباحثے اور مناظرے مسلم علماء تک محدود رہے، چنانچہ علماء اہل سنت کے صدر مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی خاص مناظرین میں تھے، ان کے برخلاف شیخ مبارک اور ان کے صاحبزادگان فیضی (شاعر) اور ابوالفضل ایسی رواداری کے حامی تھے جس میں آزادی فکر کی پوری پوری اجازت ہو، اس طرح ان مباحثات کی تیزی اور تندی بڑھتی ہی گئی" (۱۷)

اکبر سیاسی مصلحتوں کے پیش نظر "صلح کل" کا حامی تھا، اس میں اس کی ہندو بیویوں کے اثرات بھی شامل تھے، شیخ مبارک اور ابوالفضل و فیضی نے بھی یہی روش اختیار کر لی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کی نظر میں وہ تو محبوب ہو گئے اور دوسرے علماء معتوب ٹھہرے، پوویل پرائس (Powell Price) لکھتا ہے:۔

"سنی علماء کے تشدد اور باہم سب و شتم نے اکبر کو ان سے بیزار

کر دیا، چنانچہ اس نے مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کو (جلا وطن کر کے) مکہ مکرمہ بھیج دیا۔" (۱۸)

۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء میں گیلان سے حکیم ابوالفتح (م۔۹۹۷ھ / ۱۵۸۸ء) اور ان کے دونوں بھائی حکیم ہمام (م ۱۰۰۳ھ / ۱۵۹۴ء) اور نورالدین قراری ہندوستان آئے اور اول الذکر ندیم شاہی ہوتے، اکبر کے بگاڑنے میں بھی یہ ابوالفضل کے شریک کار ہو گئے، حتیٰ کہ ان کو وحی اور نبوت سے بھی منکر کر دیا۔ (۱۹)

بہر حال علماء سے بادشاہ کی بدگمانی زیادہ تر خود ان کی اپنی روش کی وجہ سے تھی، چوں کہ اکبر ان پڑھ تھا، اس لئے اس نے ان ہی "مغضوب" علماء کے حال کو اسلاف کے حال پر محمول کر لیا اور ان سے بھی بد ظن ہو گیا، ملا عبدالقادر بدایونی تحریر کرتے ہیں۔

"اکبر اپنے عہد کے علماء کو امام غزالی اور امام رازی سے بھی بہتر جانتا تھا، جب اس نے ان کی رکاکتوں کو دیکھا تو پھر حاضر کو غائب پر قیاس کر کے اسلاف سے بھی بیزار ہو گیا۔" (۲۰)

ایک روز اکبر نے شیخ مبارک ناگوری سے کہا۔

"ہم کو ان ملاؤں کے احسان سے کیوں نجات نہیں دلواتے"

شیخ مبارک موقع کی تلاش میں تھے ہی، چنانچہ ۹۸۷ھ / ۱۵۷۹ء میں انہوں نے ایک محضر نامہ تیار کیا اور اس پر علماء کے دستخط لے لئے، سب کو طوعاً و کرہاً دستخط کرنے پڑے، اس محضر نامے کی آخری عبارت یہ ہے۔

"جن مسائل دین میں مجتہدین میں اختلاف پایا جاتا ہے، اگر بادشاہ اپنے "ذہن ثاقب" اور "فکر صائب" سے اس اختلاف کو رفع کرے اور معیشت بنی آدم کی سہولت اور انتظام عالم کی

مصلحت کی بناء پر کوئی خاص راستہ اختیار فرمالیں اور حکم دیں تو
وہ متفق علیہ سمجھا جائے گا۔ اس کی اتباع عوام پر لازم اور
لابدی ہوگی، اگر اپنی رائے صائب کی بناء پر ایسا حکم صادر
فرمائیں جو نص کے مخالف نہ ہو اور اس میں رفاہ عامہ ہو تو اس
پر عمل کرنا ہر ایک کے لئے لازم اور ضروری ہو گا، اس کی
مخالفت دینی اور دنیوی بربادی اور خسران و اخروی مواخذہ کی
مستوجب ہوگی۔" (۲۱)

یہ تھا وہ محضر نامہ جس نے آگے چل کر الحاد و بے دینی کا دروازہ کھولا، اس محضر نامہ کی رو سے بادشاہ کو "سلطان عادل" اور "امام عادل" قرار دیا گیا اور اس کے فیصلے کو حجت قاطع۔ اب علماء کا تفوق ختم ہوگیا۔ "امام عادل" بننے کے بعد ہی کا یہ واقعہ ہے کہ ایک روز اکبر فتحپور سیکری کی جامع مسجد میں جمع کے روز حافظ محمد امین خطیب کو ہٹا کر خود خطبہ پڑھنے کھڑا ہوگیا۔ یہ خطبہ منظوم تھا اور فیضی نے لکھا تھا، چند ہی شعر پڑھے ہوں گے کہ اچانک بدن پر لرزہ طاری ہوگیا اور فوراً نیچے اتر آیا اور خطیب موصوف کو کھڑا کیا۔

اکبر کی اس بے راہ روی کو دیکھ کر ۹۸۸ھ / ۱۵۸۰ء میں جونپور کے قاضی القضاۃ ملا محمد یزدی نے علی الاعلان فتویٰ دیا کہ بادشاہ بدمذہب ہوگیا ہے۔ اس کے خلاف جہاد واجب ہے، دربار میں قطب الدین خاں کوکہ اور شہباز خاں کنبوہ نے بڑی جرات سے بادشاہ کو سمجھایا، لیکن حکومت اور اقتدار کا نشہ برا ہوتا ہے، اکبر اور بگڑا، قطب الدین خاں اور شہباز خاں کو برا بھلا کہا اور ملا یزدی اور معز الملک وغیرہ کو ایک بہانہ سے بلا بھیجا جب وہ آگرہ سے دس کوس فیروز آباد پہنچے تو حکم بھیجا کہ ان دونوں کو الگ کر کے دریائے جون کے راستہ گوالیار پہنچا دو، جہاں مجرمان سلطنت کا جیل

خانہ تھا، پھر حکم ہوا کہ ان کا خاتمہ کر دو، چنانچہ پہرے داروں نے دونوں کو ایک ٹوٹی ہوئی کشتی میں ڈالا، تھوڑی دور آگے جا کر گرداب کی گود میں دفن کر دیا، کچھ عرصہ بعد قاضی یعقوب بھی بلائے گئے اور انہیں اور دوسرے علماء کو جن پر شبہہ تھا ایک ایک کر کے عدم کے تہہ خانے میں بھیج دیا۔" (۲۲)

اسی سنہ میں یعنی ۹۸۸ھ۔ ۱۵۸۰ء میں عبادت خانے کی محفلوں میں غیر مذاہب کے علماء بھی شریک ہونے لگے، چنانچہ پوویل پرائس (Pawell Price) لکھتا ہے:-

"اب اکبر نے نہ صرف مسلم علماء کو بلکہ جینی، ہندو، زردشتی اور بودھ علماء کو بھی ان مباحث میں شامل کر لیا اور جلد ہی ایک عیسائی تبلیغی جماعت کو بھی بلا بھیجا۔" (۲۳)

اکبر نے پرتگالی نو آبادی گوا سے عیسائی پادریوں کو بلایا تھا، اس جماعت میں یہ لوگ شریک تھے، انٹونیو مونسیرٹ (Antonio Monserrate) روڈلف اکو، اویوا (Rodolpho Acquaviva) اور فرانسکو انیری کوتی (Francisco Enriques) یہ جماعت ۹۸۶ھ / ۱۵۷۸ء کے آخر میں گوا سے روانہ ہوئی اور ۹۸۸ھ۔ ۱۵۸۰ء میں اکبر آباد پہنچی، دربار میں حاضر ہوئی، عبادت خانے کی محفلوں میں بھی شریک رہی، ان لوگوں نے اسلام کے خلاف بہت کچھ زہر اگلا، مگر اکبر خاموشی سے تماشا دیکھتا رہا، بلکہ ان کی تقاریر سے متاثر بھی ہوا، یہ اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ شہزادہ سلیم اور شہزادہ مراد کو حکم دیا کہ ان لوگوں سے تیمناً انجیل کے چند اسباق پڑھ لیں، چنانچہ ابوالفضل نے ترجمانی کے فرائض انجام دیئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگ اکبر کے اس فعل سے بددل تھے اور پادریوں کی اس جماعت کو بھی کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ۹۹۰ھ /

۱۵۸۲ء میں روڈلف اکواویوا کو اکبر آباد ہی میں قتل کر دیا گیا۔

۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء میں عیسائی تاجروں کی ایک جماعت ملکہ الزبتھ (۹۶۶ھ / ۱۵۵۸ء تا ۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء) کا پیغام لے کر ۴-۹۹۳ھ / ۱۵۸۵ء میں اکبر آباد پہنچی تھی، اس میں یہ تین افراد شامل تھے، ریلف فنٹھ (Ralph Fitch) ، جان نیوبری (John Newbery) اور ولیم لیڈس (William Leeds) (۲۴)

بقول ملا عبدالقادر بدایونی، اکبر کے دربار میں ہندو اور بدھ رشی اکثر باریاب ہوتے تھے، شاہی ملاقاتوں میں ان کی یہی کوشش ہوتی تھی کہ اسلام کو دین باطل ثابت کر کے اپنے مذہب کی حقانیت کو ظاہر کر دیں، چنانچہ یہ لوگ مذہب اسلام پر بے باکانہ حملے کرتے تھے اور اکبر اطمینان و سکون سے سنتا رہتا تھا۔

ان ہی لوگوں کے اثرات کی وجہ سے اکبر نے ہندوؤں کی مذہبی کتابوں اتھر وید، رامائن اور مہابھارت وغیرہ کے ترجمے کا حکم دیا تھا، تاکہ بہ خوبی واقفیت پیدا کر سکے، اسی طرح انجیل کے ترجمے کے لئے ابوالفضل کو حکم ملا تھا۔

ہندو رشیوں کے اس اختلاط کا یہ نتیجہ بھی نکلا کہ بادشاہ کو عربی زبان سے نفرت سی ہو گئی چنانچہ اس نے ہوتم نامی ایک برہمن سے چیزوں کے عربی نام کے بجائے سنسکرت نام تجویز کرنے کی فرمائش کی، عربی حروف تہجی کو تلفظاً ساقط کر دیا گیا۔

دیبی نامی ایک اور برہمن جس نے مہابھارت کی شرح بھی لکھی تھی، اکثر باریاب ہوتا تھا، اس نے اکبر کو بتوں کی پوجا پاٹ کے طریقے سکھائے، آگ، سورج اور ستاروں کی پوجا کے بھی طریقے بتائے اور اپنے دیوتاؤں کی پرستش کے آداب بھی سکھائے۔

خود مسلم فلاسفہ اور متصوفہ نے نظریہ توحید وجودی کو جس غلط رنگ میں پیش کیا تھا اس نے اکبر کو اور الحاد کی طرف مائل کر دیا، بقول عبدالقادر بدایونی، شیخ تاج الدین

دہلوی، صاحب نزہتہ الارواح، جو فلسفہ وجودی میں شیخ محی الدین ابن العربی (م۔۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء) کے ثانی سمجھے جاتے تھے، اکثر دربار میں باریاب ہوتے تھے، رات رات بھر رہتے اور وجودی فلسفہ کو بیان کرتے، خود ابوالفضل بھی اس نظریہ کا پیرو تھا، بقول صاحب تذکرہ ہفت اقلیم، اکبر کی خدمت میں صبح و شام اس طرح رہتا تھا جیسے ذات کے ساتھ صفات، ظاہر ہے کہ اس کے نظریات نے اکبر پر پورا پورا اثر کیا ہو گا، موصوف کے ان خیالات سے وجودی فلسفہ کی پیروی کا اظہار ہوتا ہے۔

"اے خدا! ہر معبد میں، میں تیرے طالبوں کو دیکھتا ہوں، ہر زبان میں تیری ہی حمد کی جاتی ہے، ہر مذہب یہی تعلیم دیتا ہے کہ تو وحدہ لاشریک ہے۔

مسجد و مندر ہو یا گرجا ہر جگہ تیری ہی عبادت کی جاتی ہے، کبھی میں تجھ کو گرجا میں تلاش کرتا ہوں اور کبھی مسجد میں، ہاں، میں ایک معبد سے دوسرے معبد میں تجھ کو تلاش کرتا پھرتا ہوں۔

اے خدائے برتر! تیرے یہاں دین والحاد کا کوئی امتیاز نہیں کیونکہ تیری ردائے حق کے پیچھے ان دونوں میں سے کسی کی گنجائش نہیں۔

الحاد، ملحدوں کو مبارک ہو اور دین، دینداروں کو، ہاں، پھول کی پنکھڑیاں گل فروش کو مبارک ہوں (۲۵)

مندرجہ بالا خیالات سے لادینی رجحان کا پتہ چلتا ہے، اکبر کی پوری زندگی کو اسی تصور نے پوری طرح احاطہ میں لے لیا تھا، پھر اس پر ہندوؤں سے اختلاط اور ان کی کافرانہ تعلیمات سونے پر سہاگہ ثابت ہوئیں

ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں،

"ولایت گجرات کے شہر نوساری سے آتش پرست آئے تھے،
ان لوگوں نے بادشاہ کے سامنے زرتشت کی حقانیت کو ثابت
کیا، آگ کی پرستش سکھائی اور اپنی طرف مائل کر کے کیانیوں
کی رسم وراہ سے واقف کیا" (۲۶)

چنانچہ ان تعلیمات نے اپنا اثر دکھایا:۔

"عجمی بادشاہوں کی طرح محل شاہی میں دن رات آگ سلگتی
رہتی تھی اور اس کی نگرانی ابوالفضل کیا کرتے تھے۔" (۲۷)

دلائل و براہین سے یہ ثابت کیا تھا کہ نبی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ بنی نوع انسان سے بغیر حیل و حجت اطاعت و فرمانبرداری کا طالب ہو، اسی تصور کے تحت اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یاوہ گوئی اور دریدہ دہنی سے کام لیا، مذہب و اسلام کے متعلق تو یہاں تک کہہ دیا کہ یہ نہ عقلاء کے لئے مفید ہے اور نہ حمقاء کے لئے (معاذاللہ) یہ ساری گفتگو اکبر ٹھنڈے دل سے سنتا رہتا تھا۔

بہرکیف بقول ملا عبدالقادر بدایونی:۔

"قسم قسم کے ارباب عقل اور مختلف ادیان و مذاہب کے علماء
دربار میں جمع ہوتے اور بادشاہ سے ہم کلامی کا شرف حاصل
کرتے تھے، دن رات تحقیق و تفتیش کے علاوہ بادشاہ کو کسی
چیز سے دلچسپی نہ تھی۔" (۲۸)

اس "تحقیق و تفتیش" کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ بادشاہ کلی طور پر اسلام سے بیگانہ ہوگیا اور کافرانہ معتقدات میں دل سے شریک ہوگیا، چنانچہ بقول ملا عبدالقادر بدایونی:۔

"دوسرے مذاہب والے جو احکام بیان کرتے تھے، اسلام کی

سند میں بادشاہ ان کو نص قطعی سمجھتے تھے، اس کے بر عکس ملت
اسلامیہ اور دین اسلام کو نامعقول اور حادث خیال کرتے تھے
اور عرب بدوؤں کا گھڑا ہوا۔" (۲۹)

اور پھر یہ اعتقاد نظریاتی نہ تھا بلکہ عملی ہوگیا تھا جس نے اور تباہی مچائی، ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:۔

"مسلمانوں کے علاوہ جس کی بھی جو بات پسند آتی تھی اس کو
انتخاب کرلیا کرتے تھے، لیکن جو چیز طبیعت و خواہش کے
خلاف ہوتی تھی اس سے پرہیز لازم سمجھتے تھے۔" (۳۰)

شدہ شدہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ:۔

"پانچ چھ سال کے اندر اندر اسلام کا نام و نشان باقی نہ رہا اور
معاملہ بر عکس ہوگیا۔" (۳۱)

۹۸۸ھ۔ ۱۵۸۰ء میں اکبر نے مدد معاش کے لئے علماء و صوفیاء کو بلایا تو بہت سے نفس پرست لوگ بھی پہنچے، ان ہی میں ایک عالم مولانا شیرازی تھے، ان صاحب نے اکبر کو یہ یقین دلایا کہ دنیا کی عمر سات ہزار سال ہو چکی ہے، چنانچہ اب مہدی موعود کا وقت آ پہنچا ہے اور اس سے اشارہ خود بادشاہ ہی کی طرف تھا، غرض بادشاہ کو طرح طرح سے بہکایا گیا اور وہ اپنی جہالت کی وجہ سے بہک بھی گیا۔

ان تمام باتوں کے نتائج تیسرے دور میں نکلے جو نہایت بھیانک اور گھناؤنا ہے

تیسرا دور

(۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ تا ۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء)

اس دور کا آغاز "دین الٰہی" سے ہوتا ہے، اس مذہب نو کی بنیاد ۹۹۰ھ / ۱۵۸۲ء میں رکھی گئی، لندن یونیورسٹی کے فاضل پیٹر ہارڈی (Peter Hardy) نے اس کے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔

> "دین الٰہی" نظریاتی اعتبار سے متصوفانہ تھا، زردشتیوں کے معتقدات بھی اس میں شامل کر لیے گئے تھے، لیکن یہ مذہب خالص موحدانہ تھا، اس میں شیعی نظریہ امام و مجتہد بھی شامل تھا، مختصر یہ کہ اسلام سے اس کا جتنا تعلق تھا ہندو مت سے اتنا نہ تھا۔" (۳۰)

لیکن امریکن مورخ پوویل پرائس (Pawell Price) نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ زیادہ صحیح ہیں، وہ لکھتا ہے۔

> "۱۵۸۲ء میں "دین الٰہی" کی بنیاد رکھی گئی، (یہ مذہب نو) نظریہ توحید وجودی کی ایک مبہم و غیر واضح شکل ہے، جس میں مختلف ادیان و مذاہب کے معتقدات شامل ہیں، زردشتی، جینی، ہندو، بدھ وغیرہ، سب کا معجون مرکب ہے اور اسلام کے نظریہ توحید کو اس میں برائے نام جگہ دی گئی ہے۔ (۳۲)

اکبر کے خیالات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مذہب نو میں تمام ادیان کے معتقدات شامل تھے، ابوالفضل نے اکبر نامہ میں اکبر کے خیالات کو اس طرح پیش کیا ہے۔

"ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا انسان تو وہ ہے جو "عدل" کو
راہ تحقیق کا پیشوا بنائے، اور ہر مذہب و ملت سے جو عقل کے
مطابق ہو، قبول کرلے۔ شاید اس طرح وہ قفل کھل جائے جس
کی کنجی کھو گئی ہے۔" (۴۴)

اکبر کے تیسرے دور کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے عملی طور پر جملہ ادیان کے معتقدات کو اپنایا تھا، ملا عبدالقادر بدایونی نے اس پر بے لاک تبصرہ کیا ہے، لکھتے ہیں:-

"صبح و شام، دوپہر اور آدھی رات چار وقت آفتاب کی عبادت
کرنا اپنے اوپر لازم کرلیا تھا، آفتاب کے ایک ہزار ایک نام یاد
کرلئے تھے، جو دوپہر کو آفتاب کی طرف حضور قلب سے متوجہ
ہو کر جپا کرتے تھے، (عبادت کا یہ طریقہ تھا) اپنے دونوں کان
پکڑ کر، ایک چکر کھا کر کان کی لو پر گھونسے لگایا کرتے تھے، اس
قسم کی اور بہت سی حرکتیں کرتے تھے، قشقہ بھی لگایا کرتے
تھے، یہ بھی حکم دیا تھا کہ آدھی رات کو اور طلوع آفتاب کے
وقت نوبت و نقارہ بجا کرے۔ (۴۵)

آفتاب کی عبادت ہی پر بس نہیں تھا بلکہ ہر چیز کی عبادت شروع کردی تھی، یہ وہ خرابی ہے جو نظریہ توحید وجودی کی غلط قسم کی تشریح سے پیدا ہو سکتی تھی، ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:-

"اسی طرح آگ، پانی یا درخت اور پتھر اور تمام مظاہر کائنات
یہاں تک کہ گائے کے گوبر کی پرستش کرتے تھے، قشقہ لگاتے
تھے، زنار پہنتے تھے، تسخیر آفتاب کی دعائیں کو ہندو رشیوں

نے سکھایا تھا، وظیفہ کے طور پر آدھی رات اور طلوع آفتاب
کے وقت جپا کرتے تھے (۴۶) اور یہ عقیدہ تھا کہ

"آفتاب نیر اعظم ہے، تمام عالم کو داد و دہش کرتا ہے، بادشاہوں
کا پالنہار ہے اور بادشاہ اس کے نام لیوا ہیں۔" (۴۷)

ان عقائد کا اثر لباس تک پر تھا، چنانچہ سات ستاروں کے ساتھ
مخصوص رنگ کے حساب سے ہر روز کا لباس علیحدہ تھا۔" (۴۸)

ان تمام ملحدانہ بدعات اور کافرانہ معتقدات کی انتہا یہ تھی۔ کہ یہ حکم دیا کہ کلمہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ لوگ "اکبر خلیفۃ اللہ" کہا کریں۔

اکبر کے خاص چیلے تو یہ کلمہ پڑھتے ہی تھے، دوسرے لوگوں کو بھی اس کلمہ کی ترغیب دی جاتی تھی، اس لئے خود اکبر کے زمانے میں مذہبی لوگوں کا یہ خیال ہوگیا تھا کہ اس نے نبوت کا دعوی کر دیا ہے، ورنہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کو کلمہ مبارکہ سے نکالنے کا اور کیا سبب ہو سکتا ہے۔ اس کے بعد دعوی خدائی تک نوبت پہنچی، عوام کے اس خیال کا ذکر ابوالفضل نے بھی کیا ہے۔ اکبر نامہ میں لکھتا ہے:۔

"ایک گروہ ان کمینہ لوگوں کا ہے جو شپینہ جانوروں کی طرح دن
دھاڑے اندھوں کی مانند پائے کوبان ہیں، خدا کے اس یگانہ و
یکتا بندے (اکبر) پر جو اپنی نسل کی آن ہے یہ الزام لگاتے ہیں
کہ اس نے خدائی کا دعوی کیا ہے، اور اس قسم کے ناشائستہ
گفتگو سے وہ ابدی قعر مذلت میں خود کو دھکیلتے ہیں۔" (۴۹)

اللہ اور اس کے رسول سے بیگانہ ہونے کے بعد اکبر مذہب اسلام سے کلیتاً بیزار ہوگیا تھا اور اسلام کے خلاف اس کی طبیعت میں ایک ضد پیدا ہوگئی تھی، اور وہ ہر اس

چیز کو پسند کرتا جو مخالف اسلام ہوتی، ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:۔

"اسلام کی ضد میں سور اور کتے کو ناپاک نہیں سمجھا جاتا تھا، حرم اور محل میں ان کو رکھا جاتا تھا اور روزانہ صبح کو ان کی زیارت عبادت شمار کی جاتی تھی۔" (۴۰)

کیونکہ ہندو رشیوں نے اس کے متعلق یہ تصور پیش کیا تھا کہ:۔

"سور ان دس مظاہر میں سے ہے جن میں خدا حلول کئے ہوئے ہے" (۴۱) (نعوذ باللہ)

فیضی باوجود تبحر علمی کے اتنا گمراہ ہو چکا تھا:۔

"چند کتوں کو سفر میں ساتھ رکھتا تھا، اور ان کے ساتھ کھانا بھی کھاتا تھا، بعض شعرا تو کتوں کی زبانیں منہ میں لیا کرتے تھے۔" (۴۲)

ذبیحہ پر عام پابندی لگادی گئی اور حکم دے دیا گیا:۔

"اگر کوئی ایسے شخص کے ساتھ کھانا کھائے جس کا پیشہ جانوروں کو ذبح کرنا ہو تو اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں، اور اگر اسی کے خاندان کا کوئی فرد ہو تو اس کی کھانے کی انگلیاں اڑا دی جائیں۔" (۴۳)

جوئے کی حلت کا حکم نافذ کر دیا گیا:۔

"دربار کے اندر جوئے خانہ بنایا گیا، جوئے بازوں کو خزانہ شاہی سے روپے دئے جاتے تھے۔" (۴۴)

شراب کی حلت کا حکم اس ستم ظریفانہ احتیاط کے ساتھ دیا گیا:۔

"اگر حکماء کی طرح رفاہیت بدنی کے لئے شراب پی جائے اور اس سے کوئی فتنہ و فساد پیدا نہ ہو تو مباح ہے، لیکن اگر مے خوار

مستی میں جھوم اٹھے، بھیڑ بھاڑ ہو جاتے اور شور و غل ہونے لگے تو
ایسی صورت میں شراب نوشوں کی پوری پوری تادیب کی
جائے" (۴۵)

ے فروشی کے لئے یہ اہتمام کیا گیا کہ شراب کی دکان سر دربار لگائی گئی اور
ایک دربان خاتون خمار کو مہتمم بنایا گیا اور شراب کا نرخ بھی مقرر کر دیا گیا۔" (۴۶)
شراب نوشی کا اتنا زور و شور ہوا کہ فیضی بھی صبر نہ کر سکا اور یہ کہتے ہوئے جام
چڑھایا گیا:۔

"ایں پیالہ را بہ کوری فقہائی خورم"
(ترجمہ)(میں اس جام کو فقیہوں کے اندھے پن کے نام پر
چڑھاتا ہوں)

ستم بالائے ستم یہ کہ حضرت "شیخ الاسلام" مفتی صدر جہاں اور "میر عدل میر
عبدالحیّ صاحب" بھی خم پہ خم چڑھانے لگے، ابوالفضل لکھتا ہے:۔

"اس ماہ (آبان) دعوت میں عقل افزا شراب نوش کی گئی، میر
صدر جہاں مفتی اور میر عبدالحیّ میر عدل نے بھی اپنے اپنے
جام چڑھائے، اس موقع پر حضرت شہنشاہی نے یہ شعر پڑھا۔
گناہوں سے درگزر کرنے والے شہنشاہ کے دور میں قاضی نے
اپنے سبو لنڈھائے اور مفتی نے اپنے ساغر چڑھائے۔" (۴۷)

مفتی صدر جہاں نے شراب نوشی کے علاوہ ایک بڑا کام یہ بھی کیا کہ ۱۰۰۴ھ۔
۱۵۹۵ء میں اکبر کے حکم سے داڑھی صاف کرا دی (۴۸)، داڑھی کے متعلق اکبر کا یہ
مضحکہ خیز خیال تھا۔

"داڑھی کی خصیتین سے سیرابی ہوتی ہے، اس لئے کسی خواجہ سرا

کے چہرے پر داڑھی نہیں ہوتی، اس لئے ایسی چیز کی حفاظت سے کیا ثواب ملے گا۔" (۴۹)

یہ خیر ہوئی کہ "فرع" کی قطع و برید پر اکتفا کیا گیا، ورنہ کیا عجب تھا کہ "اصل" کی نوبت آ جاتی!

عورتوں کو بے حجابی کی پوری پوری اجازت مل گئی بلکہ حکم دیا گیا کہ:۔

"جو جوان عورت کوچہ و بازار میں نکلے اس کو چاہیئے کہ یا تو برقعہ پہنے ہی نہیں اور اگر پہنے تو منہ کھول کر چلے۔" (۵۰)

میت کی تدفین کا نرالہ طریقہ ایجاد کیا گیا:۔

"حکم دیا گیا کہ تھوڑا سا غلہ خام ایک پکی اینٹ کے ساتھ اس کے گلے میں باندھ کر پانی میں ڈال دیں اور اگر پانی نہ ہو تو جلا دیں یا خطائیوں کی طرح درخت پر لٹکا دیں۔"

اگر دفن کیا جائے تو:۔

میت کا سر مشرق کی جانب اور پیر مغرب کی سمت کر کے دفن کیا جائے۔ (۵۱)

دین الٰہی میں یہ تمام خرافات، ہر دل عزیزی اور مقبولیت عامہ کے لئے شامل کی گئی تھیں اس کے باوجود یہ مذہب نو، مقبول نہ ہو سکا، صرف چند درباریوں نے اس کو قبول کیا، جن میں ابوالفضل و فیضی اور شیخ مبارک پیش پیش تھے، عوام میں بہت ہی کم لوگوں نے اس کو اپنایا، بقول پیٹر ہارڈی:۔

"بہر حال معدودے چند درباریوں نے دین الٰہی قبول کیا۔"

(۵۲)

اڈورڈیز (S. Edwardes) نے اس مذہب پر یہ تبصرہ کیا ہے:۔

"اکبر نے لوگوں کو دین الٰہی میں شمولیت کی لالچ دی، اور جبریہ
اس کی جانب مائل کرنا چاہا، اس پر بھی یہ مذہب عوام میں
مقبول نہ ہوسکا، حتی کہ اس کے اپنے محبوب درباریوں تک نے
قبول کرنے سے انکار کردیا، ان میں اس کے متبنیٰ کنور مان سنگھ
نے تو یہاں تک کہہ دیا تھا"، مرید ہونے کا اگر یہ مطلب ہے کہ
جان نثاری پر رضامندی کا اظہار کیا جاتے تو میں پہلے ہی اپنی
جان ہتھیلی پر رکھ کر حاضر ہوا ہوں، اس کے بعد مزید ثبوت کی
کیا حاجت ہے؟ لیکن اگر مرید ہونے سے تبدیلی مذہب مراد ہے
تو میں تو ہندو ہی ہوں، اگر آپ حکم دیں تو مسلمان تو ہوسکتا
ہوں مگر میں نہیں سمجھ سکتا کہ ان دونوں کے علاوہ بھی کوئی تیسرا
مذہب ہے؟" (۵۳)

ہندوؤں کی پختہ زناری کا یہ حال تھا اور ان کے برخلاف مرزا جانی حاکم ٹھٹھ جیسے
بھی موجود تھے، اس نے اکبر کو اس قسم کا حلف نامہ بھیجا تھا۔

"میں فلاں بن فلاں اپنی طوع و رغبت، شوق قلبی سے دین
اسلامی حجازی و تقلیدی جو میں نے اپنے باپ دادا کا دیکھا تھا اور
ان سے سنا تھا، اس پر تبرا بھیجتا ہوں اور اکبر شاہی دین الٰہی کو
اختیار کرتا ہوں۔" (۵۴)

اکبر نے جو سجدہ تعظیمی فرض کیا تھا وہ بھی صوفیان خام ہی کی ستم ظریفی تھی،
ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں کہ شیخ تاج العارفین بن شیخ زکریا اجودھنی نے۔

"اس کے لئے (اکبر) سجدہ تجویز کر کے اس کا نام "زمین
بوس" رکھا، اور آداب شاہی کو فرض عین کا درجہ دیا، اس کے

پجہرے کو "کعبہ مرادات" اور، "قبلہ حاجات" کہا کرتے تھے،
اور بہت ہی ضعیف روایات اور ہندوستان کے بعض مشائخ
کے مریدوں کے عمل کو بطور حجت پیش کرتے تھے۔" (۵۵)

ان بیانات سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ اکبر گو ابتداء میں ایک دیندار مسلمان تھا، مگر رفتہ رفتہ لامذہب ہو گیا تھا اور اس کی حکومت نے اسلام اور اہل اسلام کی حمایت نہیں بلکہ اس کا استیصال کیا، اکبر کی بے دینی کے متعلق فرانسیسی فاضل ڈاکٹر گستاولی بان لکھتا ہے:۔

"اکبر خود ایک لامذہب شخص تھا اور ہندو مسلمان دونوں کو
متعصب خیال کر کے ان دونوں مذہبوں کو ایک ہی نظر سے
دیکھتا تھا، اس کی یہ بھی تمنا تھی کہ ان دونوں کو ایک مذہب پر
لے آئے لیکن اس ارادہ میں وہ کامیاب نہ ہو سکا۔" (۵۶)

فاضل موصوف کا یہ خیال تو صحیح ہے کہ اکبر لامذھب تھا، مگر جو حقائق اوپر پیش کئے گئے ان سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ اس کا سلوک معاندانہ تھا۔

اکبر کی موت

۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵ء میں جلال الدین محمد اکبر بادشاہ کا انتقال ہوا، ملا عبدالقادر بدایونی کی تاریخ منتخب التواریخ ۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء تک کے حالات پر ختم ہو جاتی ہے، ابوالفضل کی آئین اکبری اور اکبر نامہ بھی ۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء سے پہلے مرتب ہو چکے تھے، اس لئے صحیح طور پر پتہ نہیں چلتا کہ اکبر نے کس حالت میں دنیا سے رحلت کی، مفتی ذکاء اللہ نے اقبال نامہ اکبری میں تحریر کیا ہے:۔

"اس نے ملا صدر جہاں کو بلا کر ان کے ہاتھ پر توبہ کی، کلمہ پڑھا اور جنتی مسلمانوں کی طرح بہشت نصیب ہوا۔" (۵۷)

یہ ملا صدر جہاں وہی ہیں جن کو اکبر نے شراب پلائی تھی اور جنہوں نے اس کے حکم سے داڑھی صاف کرائی تھی، تزک جہانگیری کا جو ترجمہ میجر پرائس نے کیا تھا اس میں بھی تحریر ہے:۔

"شہنشاہ نے سب سے بڑے مولوی کے ہاتھ پر توبہ کی اور کلمہ پڑھ کر جنتی مسلمانوں کی طرح اس دنیا سے رخصت ہوا۔"

لیکن ۱۲۸۱ھ / ۱۸۶۴ء میں جو نسخہ سر سید احمد خاں نے طبع کرایا تھا، اس میں اس واقعہ کا ذکر نہیں ممکن ہے کہ میجر پرائس کا ماخذ پر تگیزی پادریوں کے سفر نامے ہوں، بہر حال یہ بیانات مستند نہیں ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (م ۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) نے اکبر کے انتقال پر سید فرید بخاری الملقب بہ مرتضیٰ خاں (م ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء) (جو جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد منصب پنج ہزاری اور میر بخشی کے عہدے پر فائز تھے، اور جن کے مکان واقع سلیم گڑھ (دہلی) میں اکبر اور جہانگیر ٹھہرا کرتے تھے) کو جس انداز سے تعزیت نامہ تحریر فرمایا ہے اس سے یہی مستفاد ہوتا ہے کہ اکبر مذہبی لوگوں کی نظر میں مرتے وقت مسلمان نہیں تھا، اس نے پیغمبری کے دعوٰی کے ساتھ ساتھ خدائی کا دعوٰی بھی کیا تھا، اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا۔

شیخ عبدالحق کوئی متعصب و متشدد قسم کے عالم نہ تھے، بلکہ مرنجان مرنج تھے، خود جہانگیر کو آپ سے عقیدت تھی، کبھی کبھی آپ جہانگیر کے دربار میں بھی جایا کرتے تھے، جہانگیر ایک ملاقات کا اس طرح ذکر کرتا ہے:۔

"از ارباب فضل و ارباب سعادت است دریں آمدن دولت

ملازمت دریافت کتابے تصنیف نمودہ بود مشتمل بر احوال مشائخ ہند (اخبار الاخیار ۹۹۹ھ) بہ نظر در آمدہ خیلے زحمت کشیدہ، مدتہا ست کہ در گوشہ دہلی بہ وضع توکل و تجرید بسر می برد، مرد گرامی است صحبتش بے ذوق نیست، بہ انواع مراحم دل نوازی کردہ رخصت فرمودم۔" (۵۸)

شیخ موصوف نے جو تعزیت نامہ سید فرید بخاری کے نام ارسال فرمایا تھا اس میں کنایتہً اکبر کے معتقدات کا ذکر بھی آگیا ہے۔

شیخ محدث دہلوی اس مکتوب میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"لیکن شراب نوشی کی خاصیت یہ ہے کہ اس کا جو گھونٹ پیا جاتا ہے اور جو قطرہ حلق سے نیچے اترتا ہے اور حریص بنا دیتا ہے اور پیاس بڑھ جاتی ہے، مست کر کے بیخود و بے خبر کر دیتا ہے، اس وقت (میخوار) کسی کی نصیحت نہیں سن سکتا، اور اس کو انجام کی فکر نہیں رہتی، دنیا اور حکومت کا گھمنڈ اس کو اس حد تک پہنچا دیتا ہے کہ پیغمبری اور خدائی کا دعوی کر بیٹھتا ہے، اس سے آگے اور کیا کہا جا سکتا ہے" ؟

"فرعون نے اپنے چھوٹے سے ملک مصر پر اتنا غرور کیا کہ دعوی خدائی کر بیٹھا، دوسروں کے متعلق کیا کہا جاتے؟۔ وہ خدا سے بے خبر یہ نہیں جانتا تھا کہ خدا تو آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا ہے، اور اس نے تو ایک مکھی اور مچھر تک اس دنیا میں پیدا نہیں کیا، تو پھر دعوی خدائی کیسا؟"

"وہ تو دیوانہ بھی نہ تھا، ورنہ یہ ساری بکواس اس کی دیوانگی پر

محمول کی جاتی"

آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"لیکن دنیا کی مستی و غرور اور سلطنت و حکومت کے گھمنڈ نے اس کو اس بکواس پر آمادہ کیا، بہت سے لوگوں کی سرشت میں غرور و حماقت اس طرح خمیر کر دی گئی ہے کہ ان کی عقل و تمیز سلب ہو گئی ہے، اور باوجود دعویٰ عقل کے وہ دیوانوں جیسے کام اور دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہیں، دیوانے تو نہیں ہیں لیکن دیوانوں جیسے ضرور ہیں، ایک اٹھتا ہے اور دعویٰ پیغمبری کرتا ہے اور اس کو کچھ خبر نہیں کہ پیغمبری ہے کیا چیز؟"

آخر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"لوگ اپنے مزاج اور نفس کی ایسی اندھیاری میں گر پڑے ہیں کہ نصیحت کی طرف بالکل کان نہیں لگاتے اور نیک کاموں کی طرف قدم نہیں بڑھاتے، مرنے کے بعد اس کو پتا چلے گا کہ حقیقت ہے کیا"؟

(ترجمہ شعر) "انتظار کر جب تک کہ زمانہ تیری عقدہ کشائی نہ کر دے اور جو کچھ تو نے کیا ہے اس کو مستقبل میں کھول کر نہ رکھ دے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "لوگ سوتے رہتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو ہوشیار ہوتے ہیں۔"

(ترجمہ شعر) اس جہان اسباب میں جب تک مخلوق ہے، غفلت و خواب ہی میں مبتلا ہے۔ اگر اب "لا الہ الا اللہ" کہے تو کیا ہوتا

ہے، اور کہاں پناہ مل سکتی ہے؟" (۵۹)

ان اقتباسات سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو گئی ہے کہ محدث دہلوی کے نزدیک اکبر اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک بے دین ہی رہا ورنہ تعزیت نامے کے اندر اس قسم کے مسائل کا ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں، اکبر اور اس کے دور کو اہل نظر اور اہل دل نوع انسانی کے لئے بالعموم اور مسلمانوں کے لئے بالخصوص تباہ کن خیال کرتے تھے، اب اکبری دور کے متعلق حضرت مجدد علیہ الرحمہ سرہندی کے تاثرات پیش کئے جاتے ہیں۔

اکبری دور حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی نظر میں

حضرت مجدد علیہ الرحمہ اسلام کی زبوں حالی کے متعلق خان اعظم کو تحریر فرماتے ہیں:

"مخبر صادق علیہ الصلوۃ والسلام" نے فرمایا ہے۔ "الاسلام بداء غریبا وسیعود کما بدا فطوبی للغرباء" اسلام کی بے بسی اس حد تک پہنچ گئی کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر لعن طعن کرتے اور مسلمانوں کو برا بھلا کہتے ہیں، کافرانہ احکام کو بے تحاشہ جاری کر رہے ہیں، اور ان احکام کے ماننے والوں کی کوچہ و بازار میں خوب خوب تعریف کی جا رہی ہے، مسلمانوں کے احکام اسلامیہ کے اجراء سے منع کر دیا گیا ہے اور شریعت اسلامیہ کی اشاعت کرنے والا مذموم و مطعون ہے۔

(ترجمہ شعر) "پری نے تو اپنا چہرہ چھپا لیا ہے اور دیو ناز و

نخرے پر تلا ہوا ہے، یہ کیا تماشا ہے؟ ۔۔۔ عقل حیرت سے چلی جاتی ہے۔"

سبحان اللہ و بحمدہ، کہا گیا ہے کہ شریعت زیر شمشیر ہے اور شریعت کی رونق و صفا بادشاہوں کے دم سے ہے (یہاں تو) معاملہ بالکل برعکس ہوگیا ہے، حیف صد حیف! افسوس صد افسوس! آج تمہارے وجود کو ہم غنیمت سمجھتے ہیں اور کمزور اور شکست خوردہ کے مقابلے میں تمہارے سوا کسی کو مد مقابل اور حریف نہیں جانتے، حق تعالیٰ تمہارا حامی و مدد گار ہو

(ترجمہ شعر) تجھکو خزانے کا اتا پتا بتا دیا ہے، ہم نہ پہنچ سکے شاید تو ہی پہنچ جائے" (۶۰)

جہانگیر کی تخت نشینی (۱۰۱۴ھ ۔ ۱۶۰۵ء) کے فوراً ہی بعد لالہ بیگ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"قریب قریب ایک قرن سے اسلام کی بے بسی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ کافر بلاد اسلامیہ میں کافرانہ احکام کے اجراء پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بوئے مسلمانی بھی نہ رہے۔ ان لوگوں نے معاملہ یہاں تک پہنچا دیا ہے کہ اگر کوئی مسلمان شعائر اسلام کو بجالاتا ہے تو اس کو قتل کر دیا جاتا ہے، ہندوستان میں ذبح بقر اسلام کے اعظم شعائر میں ہے (لیکن یہ تو دیکھو) کہ کافر شاید جزیہ دینے کے لئے تو راضی ہو جائیں گے مگر گائے ذبح کرنے کے لئے ہرگز تیار نہ ہوں گے۔

اگر آغاز سلطنت میں اسلام نے رواج پا لیا اور مسلمانوں کا وقار
قائم ہوگیا تو فبہا ورنہ اگر اس میں توقف کیا گیا تو عیاذاً باللہ سبحانہ
مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ ہو جائے گا۔
الغیاث، الغیاث، ثم الغیاث، الغیاث۔ دیکھیں کون سعادتمند اس
سعادت سے بہرہ مند ہوتا ہے اور کون سا شاہ باز اس دولت تک
پہنچتا ہے؟" (۶۱)

ایک مکتوب میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسلام کمزور ہو گیا ہے، کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو منہدم
کر رہے ہیں اور ان کی جگہ مندر بنا رہے ہیں۔" (۶۲)

نام نہاد صوفیہ نے شریعت کی بیخ کنی میں جو کچھ کیا وہ کم المناک نہیں، حضرت مجدد علیہ الرحمہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"صوفیان خام اور ملحدان ناعاقبت اندیش اس کے درپے ہیں کہ
حلقہ شریعت سے اپنی گردن چھڑا لیں اور احکام شرعیہ کو صرف
عوام کے لئے مخصوص کر دیں، وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ خواص
تو صرف معرفت کے مکلّف ہیں اور بس۔"
"جب معرفت حاصل ہو گئی تو پھر تکلیفات شرعیہ ساقط
ہو گئیں۔ (۶۳)

اصل میں یہ غلط فہمی نظریہ وحدۃ الوجود کی غلط تاویل سے پیدا ہوئی، جو دوسری خرابیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی، حضرت مجدد علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور بعض لوگ تو توحید وجودی (کی غلط قسم کی تاویل سے) الحاد
و زندقہ میں مبتلا ہو گئے ہیں، یہ لوگ ہر شے (خیر و شر) کو منجانب

اللہ سمجھتے ہیں، بلکہ سب کو خدا سمجھتے ہیں" (۶۴)

اسی قسم کے خیالات کی بنا۔ پر یہ لوگ حشر و نشر کے بھی قائل نہ تھے اور بقول حضرت مجدد علیہ الرحمہ، ان لوگوں کا کہنا تھا کہ:۔

"جس طرح ہم وحدت سے کثرت میں آ گئے ہیں، اسی طرح پھر کثرت سے وحدت میں چلے جائیں گے۔ اور یہ کثرت اس وحدت میں محو ہو جائے گی، ان گمراہوں میں سے ایک گروہ نے اس محویت کو "قیامت کبریٰ" خیال کیا ہے (اسی لئے یہ لوگ) حشر و نشر، حساب صراط اور میزان سے منکر ہو گئے، ضلوا فاضلوا (۶۵)

اکبر بھی انہی خیالات سے متاثر تھا اور حشر و نشر، صراط و میزان وغیرہ پر ایمان نہیں رکھتا تھا، چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی نے جب مہابھارت کا ترجمہ کر کے اس کا مسودہ پیش کیا تو اس میں ایک فارسی کا شعر بھی نظر سے گزرا جس سے حشر و نشر کے خیال کی تائید ہوتی تھی، اس پر ملا عبدالقادر کو طلب کر کے سخت تنبیہ کی، انہوں نے جواب دیا، یہ تو کتاب کا ترجمہ ہے، میں نے اپنے معتقدات کو بیان نہیں کیا ہے، خود کتاب میں یونہی لکھا ہوا ہے، یہ سن کر اکبر خاموش ہوا

نظریہ توحید وجودی ہی نے متصوفہ کو تناسخ کے جواز کی جانب راغب کیا، حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:۔

"بعض گمراہ خوامخواہ مسند مشیخت پر بیٹھ گئے ہیں اور تناسخ و آواگون کے جواز کا حکم دیتے ہیں" (۶۶)

یہی نہیں بلکہ:۔

"ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے نماز کو دور از کار سمجھ کر اس کی بنیاد کو غیر اور غیریت پر محمول کیا ہے۔" (۶۷)

جن متصوفہ نے اکبر کے لئے سجدہ۔ تعظیمی جائز قرار دیا تھا، وہ خود بھی مسجود تھے، چنانچہ شیخ نظام تھانیسری کے خلفاء اپنے مریدین سے سجدہ۔ تعظیمی کرایا کرتے تھے، اس پر حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے شیخ موصوف کو ایک مکتوب میں تحریر فرمایا:۔

"معتمد لوگوں سے سنا ہے کہ تمہارے بعض خلفاء کو ان کے مرید سجدہ کرتے ہیں۔" (۶۸)

متصوفہ کا حال تو گزر چکا، عوام کا یہ حال تھا کہ

"دیوالی کے ایام میں مسلمان جاہل بالخصوص ان کی عورتیں کافروں کی رسمیں ادا کرتی ہیں اور اپنی عید مناتی ہیں۔" (۶۹)

"مسلمان جاہلوں میں یہ مشہور ہوگیا ہے، اگر بتوں اور دیوتاؤں سے استمداد کی جائے تو مختلف امراض اور عوارض ختم ہو سکتے ہیں۔" (۷۰)

الغرض پورے کا پورا معاشرہ بگڑ گیا تھا اور ایک ہمہ گیر تباہی برپا تھی، جس کا نقشہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ اس طرح کھینچتے ہیں:۔

"ایک دنیا بدعت کے دریا میں ڈوبی ہوئی ہے اور بدعت کی تاریکیوں میں آرام کر رہی ہے، کس کی مجال ہے کہ بدعات کو ختم کرنے کے لئے دم مارے اور احیائے سنت کے لئے لب کھولے؟ اس زمانے کے اکثر علماء نے بدعات کو رواج دیا ہے اور سنت کو مٹایا ہے؟ (۷۱)

مگر احیائے سنت اور ردبدعات کی یہ سعادت حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے حصہ میں آئی، ابوالکلام آزاد (م۔ ۱۳۷۸ھ۔ ۱۹۵۸ء) لکھتے ہیں:۔

"ملک کا ملک شریعت و علوم شریعت سے بیگانہ محض اور

اصل حقیقت یک قلم معدوم، صرف خانقاہوں اور سجادہ نشینی کے سلسلوں کے جال میں پوری اقلیم جکڑ بند تھی، دوسری طرف عہد اکبری کی بدعات، تخت و تاج حکومت کے زور سے ہر طرف پھیل چکی تھیں اور علمائے سوء و مشائخ دنیا پرست خود ان کے احداث و اشاعت کے نقیب تھے، کون تھا کہ اس وقت امن و عافیت کے مدرسوں، سلطانی و فرماں روائی کی خانقاہوں سے نکلتا اور دعوت و اصلاح کی امتحان گاہوں میں قدم رکھتا اور پھر نصرت الٰہی کے لشکروں اور نفوذ باطنی کے سامانوں سے ایسا مسلح ہوتا کہ نہ شہنشاہ ہند کا تاج و تخت اس کی راہ روک سکتا اور نہ وقت کی حکمرانی و فرماں روائی اس کے سلطان حق و سطوت الٰہی پر غالب آ سکتی۔ خود حضرت موصوف ایک مکتوب میں اپنے فرزند کو لکھتے ہیں:۔

"اے فرزند ایں وقت آن است کہ درامم سابقہ دریں طور وقتے کہ پراز ظلمت است پیغمبر الوالعزم مبعوث می گشت۔ و بنائے شریعت جدیدہ می کرد، دریں امت کہ خیر الامم است و پیغمبر ایشان خاتم الرسل، علماء را مرتبہ انبیاء دادہ اند و از وجود علماء بہ وجود انبیاء کفایت فرمودہ اند، درین وقت عالمے عارفے تام المعرفت ازیں امت در کاراست کہ قائم مقام انبیائے الوالعزم باشد

فیض روح القدس ار باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند انچہ مسیحا می کرد

کچھ شک نہیں کہ توفیق الٰہی نے حضرت ممدوح کے وجود گرامی ہی کے لئے یہ مرتبہ خاص کر دیا تھا۔ انبیاء اولوالعزم کی نیابت و قائم مقامی یعنی مقام عزیمت و دعوت کا خلعت صرف انہی کے جسم پر چست آیا۔ (۲۴)

حواشی باب دوم

۱۔ محمد حسین آزاد، دربار اکبری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء۔ ص ۴۴۔۴۶
۲۔ عبدالباقی نہاوندی، ماثر رحیمی، جلد اول، مطبوعہ کلکتہ، ۱۹۲۴ء، ص۔ ۷۶۸
۳۔ غلام علی آزاد بلگرامی، ماثر الکرام، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء، ص ۴۰
۴۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۱۵
۵۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۱۵
۶۔ ایضاً، ج ۲، ص ۲۱۱
۷۔ ماثر الکرام، ص ۱۹۸
۸۔ ماثر الکرام، ص۔ ۱۹۹
۹۔ دربار اکبری، ص ۶۰۹
۱۰۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۱۱۔ Powell Price: A History of India, New York, 1958, P-267
۱۲۔ تزک جہانگیری، بحوالہ محمد معشوق حسین، حالات نورالدین جہانگیر، مطبوعہ آگرہ
۱۳۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۱۵
۱۴۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۱۸۸
۱۵۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۱۶۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۱۷۔ A history of India, p-261
۱۸۔ A History of India, p-262
۱۹۔ منشی ذکاء اللہ، اقبال نامہ اکبری، مطبوعہ دہلی، ۱۸۹۷ء
۲۰۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۲۱۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۷۲
۲۲۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء
۲۳۔ A History of India, p-262
۲۴۔ G.T. Garrat: The Legacy of India,

Orford - 1951.
p-27-28

۲۵۔ A History of India, p-268.
Lane-Poole:
Mediaval India

۲۶۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۲۷۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۲۸۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۲۹۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۳۰۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۳۱۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۳۲۔ Wm. Theodre de Barry: Sources of Indian Tradition. New York . 1959. p.443-
۳۳۔ A History of India. p.267
۳۴۔ H Beveridge: The Akbar Nama. Vol III. Calcutta. 1910. p.371.
۳۵۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص۔ ۲۲۲
۳۶۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص۔ ۲۹۱
۳۷۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص۔ ۲۹۱
۳۸۔ Akbar Nama. Vol III. p.397

۳۹۔ منتخب التواریخ، ج ۔ ۲
۴۰۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۴۱۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۴۲۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۷۹
۴۳۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۷۶
۴۴۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۴۵۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۴۶۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۴۷۔ Akbar Nama, Vol III. p 881
۴۸۔ ذکاءاللہ، اقبال نامہ اکبری
۴۹۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۵۰۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص۔ ۲۹۱
۵۱۔ منتخب التواریخ، ج ۲
۵۲۔ Sources of Indian Tradition, p.438
۵۳۔ S. Edwardes etc. Mughal Rule in India. London, 1930, p.45.
۵۴۔ منشی ذکاءاللہ، اقبال نامہ اکبری، مطبوعہ دہلی، ۱۸۹۷ء، ص ۸۲۸
۵۵۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۵۹
۵۶۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان، تمدن ہند، مطبوعہ آگرہ، ۱۹۱۳ء، مترجمہ سید علی بلگرامی، ص ۱۹۰
۵۷۔ اقبال نامہ اکبری، ص ۶۰۵
۵۸۔ تزک جہانگیری، بجوالہ محمد مشتاق حسین

، حالات نورالدین جہانگیر، مطبوعہ آگرہ
۵۹۔ شیخ عبدالحق، مجموعہ مکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل، مطبوعہ دہلی، ۱۳۳۲ھ، ص ۷۔۱۴۳
۶۰۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۶۵، ص ۴۵
۶۱۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۸۱، ص ۷۵
۶۲۔ محمد منظور نعمانی، تذکرہ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۵۹ء، ص ۱۰۴
۶۳۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۱۱۱
۶۴۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۱۱۰
۶۵۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۱۱۲
۶۶۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۱۱۲
۶۷۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۱۱۳
۶۸۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۱۱۴
۶۹۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۱۲۰
۷۰۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۱۱۹
۷۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص۔ ۱۲۷
۷۲۔ ابوالکلام آزاد، تذکرہ، مطبوعہ لاہور، ص ۵۷۔۲۵۶

Orford - 1951.
p-27-28

۲۵۔ A History of India, p-268. Lane-Poole: Mediaval India

۲۶۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۲۷۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۲۸۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۲۹۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۳۰۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۳۱۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۳۲۔ Wm. Theodre de Barry: Sources of Indian Tradition. New York . 1959. p.443-

۳۳۔ A History of India. p.267

۳۴۔ H Beveridge: The Akbar Nama. Vol III. Calcutta. 1910. p.371.

۳۵۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۔ ۲۲۲

۳۶۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۔ ۲۹۱

۳۷۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۔ ۲۹۱

۳۸۔ Akbar Nama. Vol III. p.397

۳۹۔ منتخب التواریخ، ج ۔ ۲

۴۰۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۴۱۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۴۲۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۷۹

۴۳۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۷۶

۴۴۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۴۵۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۴۶۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۴۷۔ Akbar Nama. Vol III. p 881

۴۸۔ ذکاءاللہ، اقبال نامہ اکبری

۴۹۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۵۰۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۔ ۲۹۱

۵۱۔ منتخب التواریخ، ج ۲

۵۲۔ Sources of Indian Tradition, p.438

۵۳۔ S. Edwardes etc. Mughal Rule in India. London, 1930, p.45.

۵۴۔ منشی ذکاءاللہ، اقبال نامہ اکبری، مطبوعہ دہلی، ۱۸۹۷ء، ص ۸۲۸

۵۵۔ منتخب التواریخ، ج ۲، ص ۲۵۹

۵۶۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان، تمدن ہند، مطبوعہ آگرہ، ۱۹۱۳ء، مترجمہ سید علی بلگرامی، ص ۱۹۰

۵۷۔ اقبال نامہ اکبری، ص ۵۰۶

۵۸۔ تزک جہانگیری، بحوالہ محمد مشتاق حسین

، حالات نورالدین جہانگیر، مطبوعہ آگرہ

۵۹۔ شیخ عبدالحق، مجموعہ مکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل، مطبوعہ دہلی، ۱۳۳۲ھ، ص ۷ ۔ ۱۴۳

۶۰۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۶۵، ص ۴۵

۶۱۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۸۱، ص ۷۵

۶۲۔ محمد منظور نعمانی، تذکرہ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۵۹ء، ص ۱۰۴

۶۳۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۔ ۱۱۱

۶۴۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۔ ۱۱۰

۶۵۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۔ ۱۱۲

۶۶۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۔ ۱۱۲

۶۷۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۔ ۱۱۳

۶۸۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۔ ۱۱۴

۶۹۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۔ ۱۲۰

۷۰۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۔ ۱۱۹

۷۱۔ تذکرہ مجدد الف ثانی، ص ۔ ۱۲۷

۷۲۔ ابوالکلام آزاد، تذکرہ، مطبوعہ لاہور، ص ۲۵۶ ۔ ۵۷

(۳)

اصلاحی کارنامے

اب ہم حضرت مجدد کے ان اصلاحی کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں جس کے ذریعہ انھوں نے اپنے عہد میں فکری اور علمی انقلاب پیدا کر کے شہرت دوام حاصل کی، بقول مسعود عالم ندوی:-

"دین اور دینی اصلاح کا ہر شعبہ ان کی افادات کا مرہون منت ہے .... شریعت اور ہندوانہ تصوف کی باہمی کشمکش بھی انہی کے ہاتھوں دور ہوئی، انھوں نے اس باطل تصوف کی اصلاح کی، اتباع سنت پر زور دیا، اور لوگوں کو کتاب وسنت کی چشمہ صافی کی طرف واپس لانے میں بڑی حد تک کامیاب ہوے۔"(۱)

وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود

حضرت مجدد نے وحدۃ الشہود فلسفہ و منطق کے برہانی طلسمات میں نہیں پیش کیا بلکہ صوفیانہ تجربات اور مکاشفات کی روشنی میں بیان کیا ہے، اس نظریہ کی کامیابی اسی حقیقت میں مضمر ہے، پیٹر ہارڈی (Peter Hardy) نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:-

"شیخ احمد سرہندی کی بڑی کامیابی یہی ہے کہ انھوں نے ہندی اسلام کو متصوفانہ انتہا پسندی سے خود تصوف کے ذریعہ

نجات دلائی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ جس نظریہ کی انھوں نے
تردید کی اس کے مطلب و مفہوم اور قدر و قیمت کا ان کو ذاتی
طور پر عمیق ادراک تھا" (۲)

حضرت مجدد کے تصور وحدۃ الشہود کے متعلق لکھنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تصور وحدۃ الوجود کے متعلق اجمالی طور پر کچھ عرض کر دیا جائے۔

حسین بن منصور الحلاج (م۔ ۳۱۰ھ / ۹۲۲ء) کے متصوفانہ تصورات نے اسلامی تصوف میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ ان کے نظریات کو سامنے رکھ کر عرصہ دراز کے بعد شیخ محی الدین ابن العربی (م۔ ۶۳۸۔ ۱۲۴۰ء) اور پھر ان کے بعد عبدالکریم جیلی نے اپنے متصوفانہ اصول منضبط کئے شیخ محی الدین ابن العربی اندلس میں بمقام مرسیہ پیدا ہوئے اور ۶۳۸۔ ۱۲۴۰ میں دمشق میں وفات پائی۔ ان کی بکثرت تصانیف ہیں، جن میں فتوحات مکیہ اور فصوص الحکم زیادہ مشہور ہیں۔ نظریہ وحدۃ الوجود موصوف نے پیش کیا تھا، جو بعد میں پورے عالم اسلام پر چھا گیا۔

پیٹر ہارڈی (Peter Hardy) نے اس نظریہ کی یہ اجمالی تعریف کی ہے:۔

"وجود ایک ہے وہی اللہ ہے ہر شے اسی کا مصدر یا مظہر ہے، خدا
نہ وراء الورا ہے اور نہ محیط کل، وہ سب کچھ ہے، تخلیق تو
صرف خدا کی خود کو ظاہر کر کے جاننے کی خواہش ہے۔ سلوک کے
آخری مقام فنا پر سالک کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ وہی ہے، اور
ذات وصفات خدا (سالکین راہ طریقت) ایک ہیں"۔ (۳)

شیخ محی الدین ابن العربی اسی نظریہ کے تحت لکھتے ہیں:۔

"انسان مثال خدا ہے، اور خدا روح انسان، خدا انسان ہی کی
ہستی میں سما کر موجودات عالم کا مشاہدہ کرتا ہے، جن صفات سے

بھی انسان خدا کو متصف کرتا ہے، وہ خود ان صفات کا مصدر
ہے، جب انسان خدا کا تصور کرتا ہے تو وہ اپنا تصور کرتا ہے
اور جب خدا انسان کا تصور کرتا تو گویا وہ بھی اپنا تصور کرتا
ہے"۔(۴)

ابن العربی کا نظریہ تھا کہ فنافی اللہ ہونے کے بعد ہی ذات الٰہی کا صحیح تحقق ہوتا ہے، یہ وہ مقام ہے جہاں عقل کی برہانی اور فکری قوت سلب ہو جاتی ہے، غایت حیرت ہی انتہائے معرفت ہے، یہاں انسان خود کو غیر خدا نہیں بلکہ عین خدا سمجھتا ہے، کیونکہ صفات عین ذات خدا ہیں، اس پر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ وجود صرف ایک ہی ہے۔

نظریہ وحدۃ الوجود سے بہ ظاہر یہ علمی استخراج کیا گیا کہ جب پوری کائنات غیر خدا نہیں بلکہ عین خدا ہے، تو پھر خدا کی عبادت ہر صورت سے کیجا سکتی ہے، اس لیے کوئی وجہ نہیں کہ مذاہب عالم کے درمیان مفاہمت و مساوات نہ ہو سکے چنانچہ خود ابن العربی لکھتے ہیں:۔

"ہر شخص اسی خدا کی تعریف کرتا ہے، جو ایمانی صورت میں اس
کے سامنے ہے اور جس سے اس نے خود کو وابستہ کر رکھا ہے (مگر
حقیقت یہ ہے) کہ اس کا خدا خود اس کی تخلیق ہے جب وہ خدا
تعریف کرتا ہے، تو گویا خود اپنی ہی تعریف کرتا ہے۔ مگر اس
کے باوجود وہ دوسروں کے عقائد پر حرف زنی کرتا ہے، حالانکہ اگر
وہ منصف مزاج ہوتا تو ایسا ہر گز نہ کرتا، اسکی ناپسندیدگی اس
کے جہل کی وجہ سے ہے اگر اس کو حضرت جنید بغدادی رحمتہ
اللہ علیہ کا یہ قول یاد ہوتا ہے کہ پانی جس برتن میں ہوتا ہے اسی

برتن کا رنگ اختیار کرتا ہے، تو وہ دوسروں کے عقائد میں دخل
نہ دیتا بلکہ ہر صورت اور ہر عقیدے میں اسکو خدا ہی کا جلوہ نظر
آتا" (۵)

اسی نظریہ کے تحت ابن العربی عقیدہ۔ " صلح کل " کے موئید ہیں، وہ کہتے ہیں:-

"میرے دل میں ہر کسی کی سمائی ہے۔ وہ راہب کا گرجا، بتوں کا
مندر، غزالوں کا مرغزار اور عابدوں کا کعبہ ۔۔۔ تورات بھی یہی ہے
اور قرآن بھی یہی ہے، میرا مسلک تو مسلک عشق ہے"۔ (۶)

شیخ محی الدین ابن العربی کے تقریبا ڈیڑھ سو برس بعد عبدالکریم جیلی کا زمانہ آتا ہے، یہ بھی نظریہ۔ وحدۃ الوجود کے موئید تھے، ان کا نظریہ یہ ہے۔

" تمام مذاہب کے معتقدات گو بہ ظاہر مختلف نظر آتے ہیں لیکن اصل میں ایک ہی حقیقت سے وابستہ ہیں، عبادت کسی طرح بھی کی جاتے اسی واحد مطلق کی کسی نہ کسی صفت کی آئینہ دار ہے، اور آپس میں جو اختلافات نظر آتے ہیں، وہ محض اسماء وصفات کی بو قلمونی کی وجہ سے ہیں فی الحقیقت یہ اختلافات ایک کل کی تکمیل میں معاونین کی حیثیت رکھتے ہیں"۔ (۷)

بہر حال نظریہ وحدۃ الوجود رفتہ رفتہ ہندوستان میں پھیل گیا، یارہویں صدی عیسوی کے اواخر اور پندرہویں صدی عیسوی کے اوائل میں ہندوستان میں عراق اور ایران سے تین بڑے سلسلے آئے، چشتی، سہروردی، اور فردوسی، اس کے بعد مغل دور حکومت میں ایران سے چند اور نئے سلسلے شطاری، قادری اور نقشبندی آئے، ان سلاسل میں شطاری اور قادری تصور وحدۃ الوجود سے بہت متاثر تھے، ان کے شیوخ کے اثر و نفوذ سے یہ نظریہ دوسرے سلسلوں میں پھیل گیا، حتی کہ مشائخ

طریقہ نقشبندیہ بھی اس کے موئید ہو گئے، خود حضرت مجدد بھی ابتدا میں اس تصور سے بہت متاثر تھے، ان کے والد بزرگوار اور شیخ طریقت کا بھی یہی مسلک تھا۔

چنانچہ حضرت مجدد دار المعرفت کے مکتوب ۳۱ میں جو (شیخ صوفی کے نام ہے)، تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے والد ماجد حضرت شیخ عبدالاحد (م۔۱۰۰۷ھ ۱۵۹۸ء) کا بظاہر یہی مشرب تھا، جس زمانے میں حضرت مجدد مسلک توحید وجودی کے موئید تھے ایک مکتوب اپنے شیخ طریقت خواجہ محمد باقی باللہ کو تحریر فرمایا تھا، اس میں یہ رباعی بھی تھی:۔

اے دریغا کیں شریعت ملت اعمائے است
ملت ما کافری و ملت ترسائے است
کفر و ایماں زلف وروئے پر زیبائے است
کفر و ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائے است

یہ کیفیت کئی سال تک رہی تاآنکہ:۔

"اچانک اللہ کی عنایت بے غایت پردہ۔ غیب سے ظاہر ہوئی اور بیچونی و بیچگونی کا پردہ اٹھا دیا گیا، علوم سابق جو وحدت وجود کے اتحاد پر مبنی تھے تنزل پذیر ہونے لگے اور قرب و معیت ذاتیہ کا احاطہ و سریان جو اس مقام پر ظاہر ہوا تھا مخفی ہو گیا اور یہ بات یقینی طور معلوم ہو گئی کہ صانع کو اس عالم سے مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی نہیں ہے ۔۔۔۔ اور اگر چہ عالم مرایائے کمالات صفاتی اور مجالی ظہورات آسمائی ہے، لیکن مظہر، عین ظاہر نہیں ہے اور ظل، عین اصل نہیں ہے، جیسا کہ اہل توحید وجودی کا مذہب ہے"۔ (۸)

حضرت خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ بھی ابتداء میں توحید وجودی کے قائل تھے، لیکن بعد میں ایک بلند منزل کی طرف صعود فرمایا، حضرت مجدد ایک مکتوب میں

فرماتے ہیں۔

"معرفت پناہی، قبلہ گاہی حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ کچھ عرصہ تک مشرب توحید وجودی پر قائم اور اپنے رسائل و مکتوبات میں اس کا اظہار بھی فرماتے رہے لیکن آخر کار حق سبحانہ و تعالیٰ نے اپنی کمال عنایت سے اس مقام سے ترقی عطا فرمائی اور شاہ راہ پر گامزن کر دیا اور معرفت کی اس تنگی سے نجات دی، میاں عبدالحق (محدث دہلوی) جو ان کے مخلصوں میں ہیں بیان کرتے تھے کہ (خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ) نے مرض موت سے ایک ہفتہ قبل فرمایا تھا۔ "مجھے عین الیقین ہو گیا ہے کہ توحید ایک تنگ کوچہ ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسری شاہ راہ بھی ہے جس کو میں پہلے بھی جانتا تھا، مگر اب اس کا یقین حاصل ہو گیا ہے"۔

اس کے بعد حضرت مجدد اپنے مسلک کے بارے میں فرماتے ہیں۔

"یہ حقیر بھی کچھ عرصہ تک حضرت کی خدمت میں یہی مسلک توحید رکھتا تھا، اور اس طریق کے تائید میں بہت سے مقدمات کشفیہ بھی ظاہر ہو گئے تھے، مگر خداوند تعالیٰ کی عنایت نے اس مقام سے آگے بڑھا کر جس مقام سے چاہا مشرف فرمایا"۔(۹)

احسان اللہ عباسی نے لکھا ہے۔ "حضرت مجدد کی توجہ نے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کو بھی توحید وجودی سے توحید شہودی تک پہنچایا"۔(۱۰)

اسی طرح ڈاکٹر برہان احمد فاروقی نے بھی زبدۃ المقامات کے حوالے سے لکھا ہے۔

"خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ نے خود تسلیم کیا ہے کہ میں شیخ احمد کے فیض روحانی کی بدولت وحدت وجود کے کوچہ تنگ سے نکلا ہوں"۔ (۱۱)

حضرت مجدد کی جو تحریر اوپر نقل کی گئی اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ خود بھی توحید وجودی کے تنگ کوچہ سے نکلے ہیں۔ زبدۃ المقامات میں راقم کی نظر سے کوئی ایسی عبارت نہیں گزری جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس سلسلے میں حضرت مجدد نے اپنے شیخ طریقت کی رہنمائی فرمائی۔ بعض سیرت نگاروں نے اس قسم کی عقیدت مندانہ باتیں لکھی ہیں، جو ایک محقق کے لئے قابل توجہ نہیں، مثلاً روضۃ القیومیہ نے یہاں تک لکھ دیا ہے۔

"انھوں نے (حضرت مجدد) جلد مدراج سلوک کو تمام کر لیا اور اتنی ترقی کی کہ خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ مریدوں کی طرح آپ کے حلقہ میں بیٹھنے لگے"۔ (۱۲)

اگر حضرت مجدد اس دنیا میں تشریف رکھتے تو خود اس قسم کی تحریروں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھتے، اہل نظر کو معلوم ہے کہ حضرت مجدد پر خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے کتنے احسانات ہیں، ان احسانات کو یکسر فراموش کر دینا مستحسن نہیں، اور سوانحی دیانتداری کے سراسر خلاف ہے۔

بہر حال حضرت مجدد، توحید وجودی کے کوچہ۔ تنگ سے نکل کر جس راہ پر گامزن ہوتے وہ توحید شہودی کی شاہ راہ تھی، شیخ فرید بخاری کے نام جو مکتوب تحریر فرمایا ہے اس میں توحید وجودی اور توحید شہودی کے فرق کو اس طرح اجمالاً بیان فرمایا ہے:۔

"جو توحید اس جماعت گرامی کی راہ میں آتی ہے، دو قسم کی ہے،

توحید شہودی اور توحید وجودی۔ توحید شہودی ایک دیکھنا ہے یعنی یہ کہ سالک کا مشہود، سوائے ایک کے کوئی اور نہ ہو، اور توحید وجودی ایک موجود جاننا ہے۔ اور اس کے غیر کو معدوم سمجھنا اور باوجود عدمیت کے اس کے مجالی ومظاہر کو ایک خیال کرنا، پس توحید وجودی علم الیقین کے قبیل سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم ہے"۔(۱۲)

نظریہ توحید وجودی کے اثر سے "تصوف" میں جو غلط خیالات پیدا ہو گئے تھے، حضرت مجدد نے ان کی اصلاح فرمائی، اور شیخ محی الدین ابن العربی کے نظریہ وحدۃ الوجود کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالی، بقول پیٹر ہارڈی (Peter Hardy) آپ نے فرمایا۔

"محی الدین ابن العربی اور ان کے مکتب فکر نے سلوک کی صرف ایک منزل یا حال "فنا" کے متعلق کہا ہے۔ یہ کوئی آخری منزل نہیں ہے، مقام فنا پر جا کر سالک خود فراموش ہو جاتا ہے اور ذات باری میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ غیر اللہ کا اس کو احساس تک نہیں رہتا۔ واقعہ یہ ہے ابن العربی داخلی اور خارجی میں تمیز نہیں کر سکے حالانکہ اس مقام پر بھی ان کو اہل دنیا کا ضرور احساس رہنا چاہیے تھا تا کہ وہ خالق ومخلوق میں تمیز کر سکیں ورنہ ان کی گفتگو صرف خدا ہی کے بارے میں ہوگی"۔

حضرت مجدد فرماتے ہیں کہ منزل "فنا" سے اوپر بھی ایک اور منزل ہے، جہاں ابن العربی نہیں پہنچے، اس منزل پر سالک کو یہ پتہ چلتا ہے کہ خدا کو محض وجدان کے ذریعہ نہیں پہچانا جا

سکتا۔۔ اس لیے انسان کو وحی اور علوم دینیہ کی قدرومنزلت
کرنی چاہیے، جن کی بنیاد تمام تر وحی پر ہے، دوسرے الفاظ میں
یوں کہیے کہ شریعت کی قدر و منزلت کرنی چاہیے، حضرت
مجدد پُر زور طریقہ پر کہتے ہیں۔

"دنیا اور خدا میں وہی رشتہ ہے جو خالق و مخلوق میں ہوتا ہے،
اتحاد وحلول کی تمام تقریریں الحاد ہیں، جو سالک کی باطنی غلط
فہمی سے پیدا ہوتی ہیں"۔

حضرت مجدد نے اپنے نظریات کی اشاعت مکتوبات کے ذریعہ
کی ہے، جو انھوں نے اپنے مریدین اور دوسرے لوگوں کو لکھے
ہیں، انکی مجموعی تعداد ۵۳۰ ہے اور مذہبی لٹریچر میں انکی حیثیت
ادب عالیہ کی ہے۔ (۱-۱۲)

حضرت مجدد نے نظریہ وحدۃ الشہود پیش کرتے ہوئے۔اکابر صوفیہ کے نظریہ کی تردید اور اس پر تنکیر نہیں کی بلکہ انھوں نے ارباب توحید وجودی کے تصورات اور مکاشفات کی بڑی خوبی کے ساتھ تاویل فرمائی ہے، اس طرح ان بزرگون کو مخالفانہ خردہ گیری سے بچالیا ہے، خواجہ محمد ہاشم کشمی کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اس میں شک نہیں کہ علمائے ظاہر میں سے کسی نے کہا ہو کہ یہ
مسئلہ باطل ہے، لیکن ان حضرات (ارباب توحید وجودی) نے تو
پوری جلالت کے ساتھ کہا ہے اور لکھا ہے، ان بزرگوں کے
معاملے میں باطل کا کیا دخل؟ اس مقام کا بطلان بھی نہیں کیا جا
سکتا جس مقام پر کہ ان حضرات نے اس عالی شان مسئلہ کے
متعلق کہا ہے، وہاں تو استیلاے حق ہے اور بطلان باطل، ان

بزرگوں نے تو حق تعالیٰ کے عشق میں خود کو اور غیر کو کھو دیا ہے،
اپنا نام و نشان بھی نہیں چھوڑا، قریب ہے کہ باطل بھی ان کے
سایہ سے گریزاں ہو"۔ (۱۴)

اسی طرح ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"متصوفہ گرامی میں سے جو کوئی وحدۃ الوجود کا قائل ہے اور
اشیاء کو عین حق دیکھتا ہے، اور ہمہ اوست کا حکم دیتا ہے، اس
کا مقصود یہ نہیں ہے کہ اشیاء اور حق جل و علا متحد ہو گئے ہیں،
تنزیہ سے تنزل کر کے تشبیہ پر آ گئے ہیں، واجب ممکن اور بے
مثال، مثال ہو گیا ہے یہ سب باتیں کفر و بے دینی اور گمراہی
وزندقہ ہیں ۔۔ بلکہ ہمہ اوست کے معنی تو یہ ہوتے کہ وہ خود
نہیں ہیں، صرف اللہ تعالیٰ موجود ہے"۔ (۱۵)

حسین بن منصور الحلاج (۳۱۰ھ ۹۲۲ء) کے قول اناالحق اور حضرت بایزید بسطامی کے قول سبحانی ما اعظم شانی کی تاویل کرتے ہوئے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بہت سے حضرات ایسے بھی ہیں جو غلبہ محبت کی وجہ سے یہ
احکام دیتے ہیں، مگر ایسا غلبہ محبت اور استیلاے عشق محبوب کی
وجہ سے ہوتا ہے کہ محب کی نظر سے غیر محبوب اوجھل ہو جاتا
ہے، اور وہ سوائے محبوب کے کچھ نہیں دیکھتا حقیقت ہے کہ
محبوب کے ماسوا کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے، کیوں یہ حسن عقل
اور شریعت دونوں کے مخالف ہے"۔ (۱۶)

لیکن توحید وجودی سے صوفیاے خام نے جو مطلب لیا ہے، حضرت مجدد نے

اکابر صوفیا نے اس کو اختیار کیا ہے، وحدت شہود نیا نظریہ ہے،
جسے حضرت مجدد نے بیان کیا ہے، وہ ابن عربی کی تقریر کو
نہیں سمجھے اور یہ خیال کیا، وحدت وجود، وحدت شہود سے کلیتاً
مختلف ہے"۔ (۲۲)

شاہ ولی اللہ کے پوتے مولوی اسمعیل (م ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء) کا بھی یہی مسلک ہے۔ (۲۳) لیکن ان کے مقابلے میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جس سے حضرت مجدد کے تصور توحید شہودی کی تائید کی ہے، خواجہ میر ناصر عندلیب تحریر فرماتے ہیں:۔

"حقیقت کے اعتبار سے وحدت وجود سراسر غلط ہے اور وحدت
شہود قرین صواب ہے گو کیفیت و حال کے اعتبار سے دونوں کا
منشاء ایک ہی کیوں نہ ہو، یعنی ماسوا سے نظر کا ہٹ جانا"۔ (۲۴)

ان کے صاحبزادے خواجہ میر درد (م ۱۱۹۹ھ/۱۷۸۴ء) نے بھی توحید شہودی کے پر زور تائید کی ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"دوسرا مسئلہ وحدت الشہود ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ذات
واجب کے بغیر موجودات ممکنہ کا وجود نہیں ہو سکتا، اور جملہ
موجودات اسی ایک ذات کے نور سے موجود ہیں، اکثر ناواقف جو
حضرت مجدد کے کلام کی حقیقت کو نہیں سمجھے اپنے گمان میں
انھیں ظل کا قائل سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کی یہ رائے محض وسط
سلوک میں تھی، اکثر صوفیاء خام و ناتمام جو اپنے زعم میں اپنے آپکو
عارف کامل سمجھتے ہیں، حضرت مجدد کی تصانیف کو دیکھ کر جن
میں اثنینیت اور ہمہ از اوست کا بیان ہے، خیال کرتے ہیں کہ
وہ حقیقت سے ناواقف تھے کیونکہ مسئلہ توحید بہت مشکل ہے،

اس کی پر زور تردید کی چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ممکن کو عین واجب کہنا اور اس کی صفات وافعال کو صفات وا فعال کے عین قرار دینا، صفات وافعال کی بے ادبی ہے اور بے دینی ہے"۔ (۱۷)

ایک اور مقام پر نہایت زور دار الفاظ میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"پس عالم کے ساتھ اس کو کسی طرح بھی نسبت نہیں ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ عالمین سے بے نیاز ہے، اللہ سبحانہ کو عالم کے ساتھ عین اور متحد بتانا بلکہ اس سے نسبت دینا بھی فقیر پر بہت گراں ہے"۔ (۱۸)

حضرت مجدد پر یہ بھی گراں تھا کہ رام اور رحمان کو ایک ہی حقیقت سے وابستہ کر دیا جائے ہندوں میں تو یہ خیال تھا ہی مسلمان بھی یہی سمجھتے تھے کہ ان میں صرف نام کا پھیر ہے، مگر حقیقت ایک ہے، اس تصور میں بھی توحید وجودی سے پیدا ہونے والی غلط فہمی کو بڑا دخل تھا، چنانچہ حضرت مجدد نے ہردے رام نامی ایک ہندو کو جو مکتوب لکھا ہے اس میں صاف صاف فرمایا ہے کہ رحمان سے رام کو کوئی نسبت بھی نہیں، سرنامہ پہ یہ شعر تحریر فرمایا ہے:۔

من آنچہ شرط ابلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

اس کے بعد نفس مطلب کو اس طرح بیان فرمایا:۔

"جان اور آگاہ رہ کہ ہمارا اور تمہارا پروردگار بلکہ تمام اہل دنیا کا پالنہار، کیا آسمان والے اور کیا زمین والے، کیا عالم بالا والے اور کیا عالم اسفل والے، سب کا پروردگار ایک ہے، وہ بیچون و

بیچگوں، تشبیہ و مثال سے پاک ہے اور شکل وصورت سے منزہ ہے، اس تعالیٰ سبحانہ کے حق میں پدری اور فرزندی محال ہے، مثال وہمسری کو اس جناب میں کیا مجالِ شائبہ؟۔ اس کی شان میں اتحاد وحلول مکروہ ہے، اور کون و بروز کا گمان برا ہے، کوئی زمانہ نہیں جو اس کا مخلوق نہ ہو، کوئی مکان نہیں جو اس کا بنایا ہوا نہ ہو، نہ اس کے وجود کی ابتدا ہے اور نہ اس کی زندگی کی انتہا، جس چیز کا تعلق نیکی وکمال سے ہے وہ اس تعالیٰ کی طرف سے ثابت ہے، اور جس چیز کا تعلق نقص و زوال سے ہے وہ اس تعالیٰ سے مسلوب ہے، پس مستحق عبادت وہی ہے اور لائق پرستش بھی وہی ہے، رام اور کرشن اور اسی قسم کے ہندوؤں کے جو دوسرے اوتار ہیں اسکی ادنیٰ ترین مخلوقات میں سے ہیں"۔

(۱۹)

مذکورہ بالا مکتوب میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں:-

"رام، جسرتھ کا بیٹا اور لچھمن کا بھائی اور سیتا کا خاوند ہے۔ جب رام اپنی بیوی پر نگاہ نہ رکھ سکا تو وہ دوسرے کی کیا مدد کر سکتا ہے، عقل دور اندیش سے کام لینا چاہیئے، اور ان کی تقلید پر نہ چلنا چاہیے، بڑے عار کی بات ہے کہ کوئی تمام جہانیوں کے پروردگار کو رام یا کرشن سے یاد کرے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی عظیم الشان بادشاہ کو ادنیٰ خاک روب کے نام سے یاد کرے، رام اور رحمان کو ایک جاننا بڑی بیوقوفی ہے۔ خالق، مخلوق کے ساتھ ایک نہیں ہوتا اور چوں بیچوں کے ساتھ متحد نہیں

ہو سکتا"۔

غرض حضرت مجدد نے نظریہ توحید شہودی پیش کر کے خالق و مخلوق کے اتحاد و حلول کے تصور کی پوری بیخ کنی کی جو تمام بدعات کی جڑ تھا، اور ان دونوں کے فرق کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا اور توحید وجودی سے جو غلط فہمیاں پیدا ہو گئی تھیں ان کو دور کیا، اور بتایا کہ مقام وجودیت سے بڑھ کر مقام ظلیت اور پھر سب سے اعلیٰ وارفع مقام عبدیت ہے۔

حضرت مجدد کے بعد جو بزرگ پیدا ہوئے ان میں سے بعض نے آپ کے نظریہ سے اتفاق نہیں کیا اور توحید شہودی کو تسامح پر مبنی قرار دیا۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۱۴ھ ۱۷۰۳ء) تحریر فرماتے ہیں:-

"حضرت مجدد کا یہ سمجھنا کہ وحدت وجود اور وحدت شہود میں تباین ہے فقط تسامح ہے، ابن عربی کا مذہب بھی وہی ہے جو حضرت مجدد کا، وحدت وجود اور وحدت شہود میں محض نزاع لفظی ہے"۔ (۲۰)

ایک اور مقام پر ان دونوں نظریات کو اس طرح ایک ثابت کیا ہے:-

"وحدت شہود سے مراد صرف یہ ہے کہ واجب کے کامل ہونے پر اور ممکن کے ناقص اور ہیچ ہونے پر اصرار کیا جائے لیکن ابن عربی بھی یہی کہتے ہیں کہ ممکن ناقص اور ہیچ ہے اور کمال فقط ذات واجب ہی کو حاصل ہے"۔ (۲۱)

شاہ ولی اللہ کے صاحبزادے شاہ رفیع الدین (م ۱۱۸۴ھ ۱۷۷۰ء) کا مسلک بھی یہی ہے وہ فرماتے ہیں:-

"وحدت وجود اصولی مسئلہ ہے، یہی حقیقت اسلام ہے، اسی لیے

اس لیے وہ ان پر پوری طرح منکشف نہیں ہوا تھا، مگر وہ یہ نہیں
سمجھتے کہ ”کل من عند اللہ“ کے مطابق ”ہمہ از اوست“ کی
تصدیق وحی سے ہوتی ہے، اس لیے۔ ہمہ اوست غلط ہے اور
ہمہ ازاوست صحیح“۔ (۲۵)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں (م ۱۱۹۴ھ ۱۷۸۰ء) بھی مسلک توحید شہودی کے قائل تھے، ان کے ایما پر مولانا غلام یحییٰ (م ۱۱۹۵ھ ۱۷۸۰ء) نے شاہ ولی اللہ صاحب کے نظریہ کی تردید اور حضرت مجدد کی تائید کی ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

”شاہ صاحب کا یہ کہنا کہ وحدت الوجود اور وحدت شہود، حقیقت اشیا۔ اور حادث و قدیم کے مابین ربط کو ظاہر کرتے ہیں اور یہ کہ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے، بلکہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے، سراسر غلط ہے، ان دونوں مسلکوں کے درمیان کوئی تطابق کسی طرح ممکن ہی نہیں، کیونکہ وحدت وجود کی بنا عالم اور موجد عالم کے مابین عینیت پر ہے اور وحدت شہود کی رو سے واجب اور ممکن کے درمیان غیریت تامہ ہے“۔ (۲۶)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے جانشین، شاہ غلام علی (۱۲۴۰ھ ۱۸۲۴ء) بھی ان دونوں نظریات کی تطبیق کو تسلیم نہیں کرتے، وہ لکھتے ہیں:۔

”وحدت وجود اور وحدت شہود کشف کے دو جدا جدا مقام ہیں جو اہل سلوک ان مقامات سے گذرے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ان کی تطبیق محال ہے“۔ (۲۷)

تاہم اس میں شک نہیں کہ حضرت مجدد کے نظریہ توحید شہودی نے اسلامی تصوف پر عجمی اثرات کو بڑی حد تک زائل کر کے ایک نیا تحقیقی اسلامی فکر عطا کیا،

عہد جدید کے اکثر فضلا نے اس کی تعریف کی ہے، چنانچہ لندن یونیورسٹی کے فاضل پیٹر ہارڈی لکھتے ہیں:۔

"بہر کیف اکبر اور متصوفہ کی مذہبی بے راہ روی کے جواب میں جو شخصیت رد عمل کے طور پر میدان عمل میں آئی وہ شیخ احمد سرہندی (۱۵۶۴ء۔ تا ۱۶۲۴ء) کی ممتاز شخصیت تھی، موصوف نے ابن العربی کے نظریہ توحید وجودی پر متصوفانہ مشاہدہ و تجربہ کی روشنی میں بحث کی اور مسلمانوں کو اس چیز کا از سر نو احساس دلایا کہ مذہب اسلام میں وحی الہیٰ کا ایک بلند مقام ہے"۔ (۲۸)

ڈاکٹر اقبال نے اپنے لیکچروں میں حضرت مجدد کے نظریہ وحدۃ الشہود کو سراہا ہے، فرماتے ہیں:۔

"سترہویں صدی کا ایک گراں قدر مفکر ..... شیخ احمد سرہندی ..... جن کی ہم عصر تصوف پر بے باکانہ تشریحی تنقید ایک نئی تکنیک کی ترقی پر منتج ہوئی، متصوفہ کے جو مختلف طریقے سنٹرل ایشیا اور عرب سے ہندوستان آتے ان میں ص ف موصوف کی وہ تکنیک ہے جس نے ہندوستانی سرحد کو عبور کیا اور آج بھی پنجاب، افغانستان اور ایشیائی روس میں ایک زندہ قوت ہے"۔ (۲۹)

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ اور ڈاکٹر یوسف حسین نے بھی نظریہ وحدۃ الوجود اور اس کی اثر انگیزی کا ذکر کیا ہے۔

شریعت و طریقت

متصوفہ میں ایک غلط خیال یہ بھی پیدا ہو گیا تھا کہ شریعت اور طریقت دو جداگانہ حقیقتیں ہیں، اس میں کچھ تصور توحید وجودی سے پیدا شدہ غلط فہمیوں کو بھی دخل تھا، اس لئے حضرت مجدد نے اپنے مکتوبات کے ذریعے اس فاش غلطی کا ازالہ کیا اور یہ واضح کیا کہ شریعت اور طریقت ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں، چنانچہ سید احمد قادری کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"شریعت و طریقت ایک دوسرے کے عین ہیں، حقیقت میں ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہیں، ان میں صرف اجمال و تفصیل، استدلال و کشف، غیبت و شہادت اور تعمل اور عدم تعمل کا فرق ہے، وہ احکام و علوم جو شریعت غرا کی روشنی میں ظاہر اور معلوم ہو گئے ہیں، حقیقت حق الیقین کے تحقق کے بعد یہی احکام و علوم بعینہا مفصل طور پر منکشف ہوتے ہیں، غیبت سے شہادت میں آتے ہیں، ارادہ حصول اور فریب عمل درمیان سے اٹھ جاتا ہے اور حقیقت حق الیقین تک پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ علوم و معارف شرعیہ سے اس مقام کے علوم و معارف مطابقت رکھتے ہوں، اگر ان دونوں میں بال برابر بھی فرق ہے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ "حقیقت الحقایق" تک ابھی رسائی نہیں ہوئی، اس کے برخلاف مشائخ طریقت میں سے جس کسی سے بھی کوئی عمل و علم مخالف شریعت ظہور پذیر ہوا ہے وہ حالت سکر پر مبنی ہے، اور سکر صرف اثنائے راہ میں ہوتا ہے، منتھیان النہایۃ کو تو صحو ہی صحو ہے"۔ (۳۰)

ملا حاجی احمد لاہوری کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"پس شریعت تمام دینی اور دنیوی سعادت کی متکفل ہوئی اور کوئی ایسی بات باقی نہیں رہی جس کی ضرورت شریعت کے مقابلہ میں پڑے، جزو ثالث یعنی اخلاص کی تکمیل کے لیے طریقت و حقیقت ہے، جن سے متصوفہ ممتاز ہوتے ہیں اور جو شریعت کی خادم ہے، پس ان دونوں کے حاصل کرنے کا مقصد تکمیل شریعت کے سوا اور کچھ نہیں ہے"۔ (۳۱)

ایک مکتوب میں شیخ محمد یوسف کو اس طرح تلقین فرماتے ہیں:۔

"اس طرح سے زندگی گزاریں کہ اس وراثت کے حقدار ہو جائیں، اپنے ظاہر کو ظاہر شریعت سے اور باطن کو باطن شریعت سے جو حقیقت سے عبارت ہے، آراستہ و پیراستہ کریں، کیونکہ حقیقت و طریقت حقیقت شریعت اور اسی حقیقت کی طریقت سے عبارت ہیں، نہ کہ شریعت دوسری چیز ہے اور طریقت و حقیقت دوسری چیزیں، یہ تو الحاد و زندقہ ہے"۔ (۳۲)

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"شریعت کے تین حصے ہیں، علم، عمل اور اخلاص، جب تک یہ تینوں چیزیں متحقق نہیں ہو جاتیں شریعت متحقق نہیں ہو سکتی، اور جب شریعت متحقق ہو گئی تو پھر حق سبحانہ و تعالیٰ کی رضا حاصل ہو گئی جو تمام دینی و دنیوی سعادات سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ ورضوان من اللہ اکبر (۳۳)

ردِّ بدعات

اس غلط تصور سے کہ شریعت و طریقت دو علیحدہ حقیقتیں ہیں، ایک طرف تو تکلیفات شرعیہ کی ادائیگی میں تساہل پیدا ہو گیا تھا، دوسری طرف بدعات کا زور ہوا، اس لئے حضرت مجدد نے جہاں یہ بتایا ہے کہ شریعت و طریقت دو علیحدہ حقیقتیں نہیں ہیں، وہاں یہ بھی بتایا کہ بدعت خواہ حسنہ ہی کیوں نہ ہو متابعت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ہیچ ہے، چنانچہ خواجہ عبدالرحمن کابلی کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ فقیر حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ سے ظاہر و باطن طریقہ پر نہایت تضرع وزاری، التجا و افتقار اور ذل وانکسار کے ساتھ دعا کرتا ہے کہ دین میں جو نئی نئی باتیں نکل آئی ہیں، جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین علیہم الاسلام کے عہد مبارک میں نہ تھیں خدا مجھکو اس عمل محدث میں گرفتار نہ کرے، اگر چہ وہ صبح کے اجالے کی طرح ہی کیوں نہ چمک رہا ہو، اور اس بدعت کا شیدا بھی نہ کرے۔ (بحرمت سید المختار و آلہ الابرار علیہم الصلوت والسلام) کہتے ہیں کہ بدعت دو قسم کی ہوتی ہے، حسنہ اور سیئہ حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین (علیہ و علیہم الصلوت اتمہا ومن التحیات اکملہا) کے زمانہ۔ مبارکہ کے بعد ایجاد ہوا ہو اور رفع سنت بھی نہ کرتا ہو، سیئہ وہ عمل ہے جو رافع سنت بھی ہو، اس فقیر کو ان دونوں قسم کی بدعتوں میں سے کسی میں بھی حسن و نورانیت نظر نہیں آتی اور سوائے۔ ظلمت اور کدورت کے اور

کچھ محسوس نہیں ہوتا، بالفرض اگر آج کچھ لوگ عمل مبتدع میں
ضعف بصارت کی وجہ سے خوبی و نضارت پاتے ہیں تو جب وہ
صحیح النظر ہوں گے تو معلوم ہو گا کہ سوائے خسارت وندامت
کے اس کا کوئی نتیجہ نہیں۔

بہ وقت صبح شود ہمچو روز معلومت
کہ باکہ در باختہ عشق در شب دیجور (۴۴)

یہ مکتوب بہت طویل ہے، مذکورہ بالا تحریر کے بعد حضرت مجدد نے بدعات حسنہ کو ایک ایک کر کے گنایا ہے، اور پھر ان کی برائیوں پر روشنی ڈالی ہے، یہاں اس حقیقت کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ حضرت مجدد نے ہر اس بدعت حسنہ کو سنت میں شامل کیا ہے جس کی بنیاد عہد نبوی یا عہد صحابہ میں پائی جاتی ہو، البتہ ان بدعات حسنہ پر تنقید کی ہے جس کا ان مبارک عہدوں سے کوئی تعلق نہیں اور بعض علماء نے جس کو مستحب قرار دیا ہے مثلاً زبان سے نماز کی نیت پر اصرار کرنا ایک ایسی بدعت ہے جس سے غفلت قلبی کا قوی احتمال ہے، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں۔

"یہی بدعت ہے جو علماء نے نیت نماز میں مستحسن بنا رکھی ہے، (وہ یہ کہتے ہیں) کہ ارادہ قلب کے باوجود زبان سے ضرور نیت کرنی چاہیے، حالانکہ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے، نہ روایت صحیح سے اور نہ روایت ضعیف سے، اور نہ صحابہ کرام و تابعین عظام سے یہ ثابت ہے کہ انھوں نے نماز میں زبان سے نیت کی تھی، بلکہ وہ تو اقامت کے فوراً ہی بعد تکبیر تحریمہ کہتے تھے، پس زبان سے نیت کرنا بدعت ہوگا اور اس بدعت کو حسنہ کہا گیا ہے۔ یہ فقیر تو یہ سمجھتا ہے کہ اس بدعت

سے نیت تو کجا فرض بھی چھوٹ جاتا ہے، کیونکہ نیت کرنے میں
بہت سے لوگ صرف زبان سے کہہ لینے پر اکتفا کرتے ہیں اور دل
کی غفلت کی کچھ پروا نہیں کرتے، پس اس صورت میں نماز کے
فرائض میں سے ایک فرض ترک ہو جاتا ہے یعنی نیت قلبی اور
اس سے نماز کے فساد کی نوبت پہنچتی ہے"۔ (۴۵)

حضرت مجدد ہر اس مستحسن عمل کو بھی اچھا نہیں سمجھتے جو قلب کو اللہ و رسول سے غافل کر دے، ان کی نظر توجہ الی اللہ اور توجہ الی الرسول پر ہے، بعض علماء نے آپ کے بعض فقہی خیالات سے اختلاف کیا ہے مگر انھوں نے اس نکتے کو نظر انداز کر دیا ہے جو اہل نظر کی توجہ کے لائق ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ زبان سے نیت کرنا اس لیے مستحسن نہیں سمجھتے کہیں دل غافل نہ ہو جائے اور وہ حضوری قلب میسر نہ آئے جو نیت کی جان ہے۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ نماز میں یکسوئی کے اس اہتمام کے باوجود حضرت مجدد نماز میں تصور شیخ کو فاسد نماز خیال نہیں کرتے، بلکہ اس کو مغتنمات میں شمار کرتے ہیں، چنانچہ ایک مکتوب میں خواجہ محمد اشرف کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"محبت اطوارا! یہ دولت تو طالبوں کی مطلوب ہے، ہزاروں میں
سے کسی ایک کو دی جاتی ہے، جس پر یہ کیفیت طاری ہوتی ہے وہ
مستعد تام المناسبت ہے، اور قریب ہے کہ رہنمائے طریقت کی
تھوڑی سی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو اپنے اندر جذب
کر لے، آپ رابطہ کی کیوں نفی کرتے ہیں، وہ تو مسجود الیہ ہے نہ
کہ مسجود لہ (اگر یہی بات ہے) تو پھر محرابوں اور مسجدوں کی
کیوں نفی نہیں کرتے؟ اس قسم کی دولت کا ظہور سعادتمندوں

ہی کو میسر ہوتا ہے، تاکہ تمام احوال میں صاحب رابطہ کو اپنا وسیلہ سمجھے اور ہر وقت اسی کی طرف متوجہ رہے، نہ کہ اس بے دولت جماعت کی طرح جو خود کو اس سے بے نیاز سمجھتی ہے، اور قبلہ توجہ کو اپنے شیخ سے منحرف کرتی ہے، اور اپنے معاملے کو درہم برہم کر دیتی ہے"۔ (۳۶)

تعجب ہے کہ مولوی سید احمد بریلوی نے صراط مستقیم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تصور کو ہی فساد نماز کا سبب قرار دیا ہے (نعوذ باللہ) حضرت مجدد نے ایسے لوگوں کو "بے دولت" فرمایا ہے۔ (۳۶-۱)

احیائے شریعت

حضرت مجدد نے اپنے بیشمار مکاتیب میں ظاہر شریعت اور باطن شریعت کی پیروی پر بڑا زور دیا ہے اور شریعت کی پیروی ہی کو تمام بدعات کا علاج اور انسانی سعادت کی معراج بتایا ہے، احیائے شریعت کے سلسلے میں حضرت مجدد نے جو کارنامے انجام دیے اس کو غیر مسلم فضلا نے بھی سراہا ہے، چنانچہ پروفیسر ایس۔ ایچ۔ اے۔ آر۔ گب لکھتا ہے:۔

"سترھویں اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں چند ممتاز فضلا۔ نے یکے بعد دیگرے شریعت اسلامیہ کے قیام کی سعی کی، انھوں نے صرف ظاہر شریت ہی پر نہیں بلکہ باطن شریعت پر خاص طور سے زور دیا، اور مذہب کی نفسیاتی اور اخلاقی خوبیوں کو اجاگر کیا، لیکن اس تحریک پر پوری توجہ نہیں دی گئی، اس

تحریک کی ممتاز شخصیتیں یہ ہیں، ملک شام کے عبدالغنی نابلسی (۱۶۱۴ء تا ۱۷۳۱ء) ہندوستان کے احمد سرہندی (۱۵۶۳ء تا ۱۶۲۴ء) اور شاہ ولی اللہ دہلوی ۱۷۰۲ء تا ۱۷۶۲ء)"۔ (۴۷)

پروفیسر گب نے جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے وہ حضرت مجدد کے اس مکتوب میں ہے جو سید شاہ محمد کے نام تحریر فرمایا ہے۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت دینی اور دنیوی سعادت کا سرمایہ ہے، اس کے مختلف درجات اور مراتب ہیں ...... متابعت کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ اقوال واعمال کی پیروی کی جائے جن کا تعلق باطن سے ہے، اور جس سے تہذیب اخلاق سے آراستگی اور صفات ذمیمہ اور باطنی امراض کا ازالہ مقصود ہو، یہ درجہ ارباب سلوک کے لیے مخصوص ہے" (۴۸)

حضرت مجدد نے ارکان سلطنت اور اپنے مریدین و معتقدین کو بے شمار خطوط لکھے ہیں جن میں اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی تاکید کی گئی ہے، ہم صرف ان خطوط کے اقتباسات پیش کرینگے جو دفتر اول (موسوم بہ درالمعرفت ۱۰۲۵-۶ھ ۱۶۱۶ء۔ مرتبہ خواجہ یار محمد بدخشی) میں ارکان سلطنت اور اعیان مملکت کے نام لکھے گئے ہیں، اور جن میں اتباع شریعت کی تلقین کی گئی ہے، شیخ فرید بخاری کو ایک مکتوب تحریر فرماتے ہے:-

"کل قیامت کے دن شریعت کے متعلق پوچھا جائے گا، تصوف کی پرسش نہ ہوگی، دخول جنت اور تقرب محبوب، اتباع شریعت سے وابستہ ہے، انبیاء علیہم السلام جو کائنات میں سب سے افضل ہیں، انھوں نے شریعت ہی کی طرف دعوت

دی ہے، اور نجات اخروی کا مدار بھی اسی پر ہے، ان اکابر کی بعثت سے مقصود تبلیغ شریعت ہے، پس سب سے بڑھ کر نیکی یہی ہے کہ شریعت کی ترویج میں کوشش کی جائے اور احکام شرعیہ کے کسی حکم کو زندہ کیا جائے، خصوصاً ایک ایسے دور میں جب کہ شعائر اسلام منہدم ہو گئے ہیں"۔ (۳۹)

خواجہ جہاں کے نام عربی میں ایک مکتوب ہے، اس میں فرماتے ہے:۔

"یہ سب کچھ، بلکہ روح، سر، خفی اور اخفی کے جتنے بھی کمالات ہیں وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے وابستہ ہیں، آپ پر لازم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور تابعین کرام کی متابعت کریں، یہ لوگ ہدایت کے ستارے اور ولایت کے خورشید ہیں، پس جو شخص بھی ان کی متابعت سے مشرف ہوا، اس نے بڑی کامیابی حاصل کی، اور جو شخص ان کی مخالفت پر آمادہ ہوا تو وہ بڑی گمراہی میں گر پڑا"۔

(۴۰)

بہادر خاں کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ظاہر کو شریعت غرا کے ظاہر سے آراستہ کرنا اور باطن کو ہمیشہ حق جل وعلا سے وابستہ رکھنا بڑا ہی اونچا کام ہے، دیکھیں کس خوش قسمت کو ان دو عظیم نعمتوں سے مشرف کیا جاتا ہے۔ آج ان دونوں نسبتوں کا یک جا ہونا بلکہ صرف ظاہر شریعت ہی پر مستقیم رہنا بہت ہی نادر الوجود ہے حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے کمال کرم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری اور باطنی

متابعت پر استقامت کی توفیق عطا فرمائے"۔ (۴۱)

شیخ فرید بخاری کے نام ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اللہ سبحانہ و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "من یطع الرسول فقد اطاع اللہ" حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اپنی اطاعت کا عین قرار دیا ہے، پس خدائے عز و جل کی ایسی اطاعت جو غیر رسول کی اطاعت کے وسیلہ سے کی جارہی ہو اس کی اطاعت نہیں ہے، اس پر زور دینے کی لیے کلمہ "قد" لایا گیا تاکہ کوئی بوالہوس ان دونوں اطاعتوں کے درمیان فرق و جدائی نہ پیدا کر سکے۔ اور ایک کو دوسرے پر فوقیت نہ دے۔ دوسری جگہ حق سبحانہ و تعالیٰ ان لوگوں کی شکایت فرماتے ہیں۔ جنھوں نے ان دو اطاعتوں میں فرق کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "یریدون ان یفرقوابین اللہ ورسلہ و یقولون نومن ببعض و نکفر ببعض و یریدون ان یتخذو بین ذلک سبیلا اولئک ھم الکافرون حقا (۴۲)

عبدالرحیم خان خاناں کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"سعادت ابدی اور نجات سرمدی متابعت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ وابستہ ہے، بالفرض اگر ہزار سال عبادت کی جائے اور سخت سے سخت ریاضتیں اور مشکل سے مشکل مجاہدات کیے جائیں مگر ان حضرات کے نور متابعت سے سینے منور نہ ہوں تو ان تمام ریاضات اور مجاہدات کو ایک جو کے بدلے بھی نہ خریدا جائیگا، لیکن دوپہر کا سونا (قیلولہ) جو سراسر غفلت و تعلیل ہے

ان حضرات کی متابعت میں ہے تو یہ ان ریاضات و مجاہدات سے
کہیں بڑھ چڑھ کر ہو گا" (٢٣)

اونچے طبقے میں خصوصا امراء و وزراء سلطنت میں دنیا سے وابستگی و پیوستگی نے بے شمار خرابیاں پیدا کر دی تھیں، اس لیے حضرت مجدد نے اس طبقہ کی خرابیوں کا استیصال فرمایا اور مکاتیب کے ذریعہ اتباع مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تاکید شدید فرمائی، چنانچہ شیخ فرید بخاری (م ۱۰۲۵ھ ۱۶۱۶ء) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جس طرح کفر، اسلام کی ضد ہے، اسی طرح آخرت بھی دنیا کی ضد ہے، دنیا اور آخرت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں، ترک دنیا دو قسم کا ہے، ایک تو یہ کہ سوائے ضرورت کے مباحات دنیوی بھی ترک کر دیجائیں، یہ اعلیٰ قسم کا ترک دنیا ہے، دوسری یہ کہ دنیا کے محرمات اور مشتبہات سے بچا جائے اور مباحات سے راحت حاصل کیجاتے یہ قسم بھی خصوصا اس دور میں نادر الوجو ہے۔

آسماں نسبت بہ عرش آمد فرود
ورنہ بس عالی ست پیش خاک تود

پس مجبوراً سونے، چاندی، ریشمی کپڑے اور اسی قسم کی دوسری چیزیں جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا ہے۔ ان سے بچتے رہیں، سونے، چاندی کے ظروف کو اگر سجانے کے لیے استعمال کیا جائے تو گنجائش نکل سکتی ہے، لیکن ان کا استعمال حرام ہے، مثلاً ان میں پانی پینا، کھانا کھانا، عطریات ڈالنا، سرمہ دانی بنانا وغیرہ وغیرہ مختصر یہ کہ حق سبحانہ و تعالیٰ نے امور مباحہ

کے دائرے کو بڑا وسیع کر دیا ہے، اور ان کے تنعمات و تمتعات
سے جو لذت و عیش حاصل ہوتا ہے وہ امور محرمہ سے کہیں زیادہ
ہے، مباحات میں خدا کی رضا و خوشنودی ہے اور محرمات میں
ناراضگی و خفگی" (۴۴)

اسی طرح عبدالرحیم خان خاناں (م ۱۰۳۶ھ ۱۶۲۶ء) کے نام جو مکتوب تحریر فرمایا ہے، اس میں بڑے حکیمانہ انداز سے امور محرمہ سے نفرت اور امور مباحہ کی طرف ترغیب دلائی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ماکولات، مشروبات اور ملبوسات میں۔ بہت سی چیزیں حلال کر دی ہیں اور صرف تھوڑی سی چیزوں کو حرام کیا ہے اور وہ بھی بندوں کے فائدے ہی کے لیے۔ ایک پُر ضرر، بدمزہ شراب کو حرام کیا ہے، لیکن کتنے ہی خوش ذائقہ اور نفع بخش مشروبات کو اس کے بدلے حلال کر دیا ہے، عرق قرنفل، اور عرق دار چینی خوشبو اور ذائقہ کے ساتھ ساتھ جتنے منافع و فوائد رکھتا ہے وہ کیا بیان کیے جائیں، ایک کڑوی، بدمزہ، تند جو، بدخو، ہوش ربا اور پر خطر چیز کو اس خوشبودار اور خوش ذائقہ عرق کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟

شتان بینهما مع ذلک

حل و حرمت کی وجہ سے جو فرق کیا جائے اسکی اور بات ہے اور اللہ کی خوشنودی اور عدم خوشنودی کی وجہ سے جو تمیز کیجائے اس کی بات ہی کچھ اور ہے۔ بعض ریشمی کپڑوں کو حرام کیا ہے تو کیا مضائقہ ہے، کیونکہ اس کے بدلے تو کتنے قسم قسم کے

مزیب و مزین کپڑے اور لباس حلال کر دیے ہیں" (۴۵)

عہد اکبری میں مسلمان غیر اسلامی رنگ میں اس قدر رنگ گئے تھے کہ کفر و اسلام میں امتیاز مشکل تھا مسلمانوں میں سینکڑوں مشرکانہ رسمیں رائج ہو گئی تھیں جس کا اثر عہد جہانگیری تک تھا، حضرت مجدد نے پوری قوت کے ساتھ اس کی اصلاح کی کوشش کی اور اس ماحول میں جہاں آوازہ حق بلند کرنا اپنے سر کو تلوار پر رکھنے کے مترادف تھا۔ حضرت مجدد نے پوری اسلامی حمیت اور غیرت کے ساتھ بڑے جرات مندانہ انداز میں اعلاء کلمۃ الحق کیا، شیخ فرید بخاری کے نام ایک مکتوب میں کمال وارفتگی اور شگفتگی کے ساتھ یوں تحریر فرماتے ہیں۔

"ذرا خیال تو کریں کہ معاملہ کہاں تک پہنچ چکا ہے، مسلمانی کی بو بھی باقی نہیں رہی، ایک دوست نے کہا ہے کہ تم لوگوں میں سے جب تک کوئی دیوانہ نہ ہو گا، مسلمانی تک پہنچنا مشکل ہے، اسلام کا بول بالا کرنے کے لیے اپنے نفع و نقصان کا بھی خیال نہ کرنا، یہ ہے دیوانگی، اسلام رہے تو کچھ بھی ہو (کوئی پرواہ نہیں) اور اگر نہ رہے تو پھر کچھ بھی نہ رہے، اگر مسلمانی ہے تو پھر خدا کی رضا اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی بھی ہے، اور آقا کی رضا سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں" (۴۶)

حضرت مجدد کی تعلیم و تبلیغ نے اپنا پورا پورا اثر دکھایا، امراء و وزراء۔ سلطنت پر بھی اس کا اثر ہوا اور بالواسطہ جہانگیر بھی متاثر ہوا، چنانچہ تخت نشینی سے پہلے اس نے تحفظ اسلام کا یقین دلایا، اکبر کی زندگی ہی میں خود جہانگیر کا بیٹا خسرو، اکبر کی جانشینی کے لیے کوشاں اور اپنے باپ سے باغی تھا، بیشتر امراء اس کے طرفدار تھے، مگر حضرت مجدد کے معتقد خاص اور جہانگیر کے معتمد خاص شیخ فرید بخاری (۱۰۲۵ھ

۱۶۱۶ء) نے اس شرط پر جہانگیر کی حمایت کا وعدہ کیا کہ وہ اپنی حکومت میں اسلام کا تحفظ کرے گا، ڈاکٹر ترپاٹھی (Tripathy) لکھتے ہیں:۔

"بہر کیف اکبر کے آخری دور حکومت میں چند شرفاء نے افواج آگرہ کے کمانڈر فرید بخاری کی قیادت میں سادات بارہ کی مدد سے سلیم کی تخت نشینی کی حمایت کی، ان لوگوں نے اپنے سرگرم تعاون کا اس شرط پر یقین دلایا کہ تخت نشینی کے بعد سلیم اسلام کی محافظت کرے گا، غالباً اس سے ان کا یہ مقصد ہو گا کہ سلیم اہل سنت وجماعت کی حمایت کرے گا، جو اکبر کی پالیسی سے بالکل ممتاز چیز تھی، چنانچہ جہانگیر کی تخت نشینی کے فوراً ہی بعد شیخ فرید بخاری منصب پنج ہزاری اور میر بخشی کے عہدوں پر فائز ہو گئے، فرید، شیخ احمد کے ساتھ قریبی رابطہ رکھتے تھے"۔ (۴۷)

جہانگیر ۲۱ اکتوبر ۱۶۰۵ء کو نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ غازی کے لقب سے تخت نشین ہوا اور بقول اڈورڈیز (Edwardes)۔

"تخت نشینی کے ساتھ ساتھ اسلام اور مذہب اہل سنت وجماعت کی حمایت اور تحفظ کا یقین دلایا گیا" (۴۸)

تخت نشین ہونے کے بعد جہانگیر نے جو بارہ نکاتی فرمان جاری کیا تھا اس میں سے کچھ نکات یہ ہیں:۔

۱۔ ہر قسم کے منکرات اور منشیات کی ممانعت۔

(مگر خود جہانگیر نے واقعات جہانگیری میں اپنی شراب نوشی کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ کوشش کر رہا ہوں کہ صرف ہاضمہ کی خاطر رات کو استعمال کیا کروں لیکن

حقیقت یہ ہے کہ وہ آخر وقت تک اس کو نہ چھوڑ سکا۔)

۲۔ مساجد سے متعلق زمینوں کی بحالی۔

۳۔ قیدیوں کی عام معافی۔

اوپر گذر چکا ہے کہ اکبر کے زمانہ میں شراب نوشی کا یہ عالم تھا کہ خود دربار میں شراب کی دو کان کھولی گئی تھی، امراء و وزراء تو شراب پیتے ہی تھے بعض علماء بھی اس سے بچ نہ سکے، مسجدیں ویران ہو گئی تھیں اور ان کی جگہ منادر اور اصطبل بنا دیے گئے تھے، اور جو شخص ان محرمات کے خلاف لب کشائی کرتا تھا اس کو بلا تأمل قتل کر دیا جاتا، یا زندان میں ڈال دیا جاتا تھا۔ جہانگیر کی تخت نشینی کے بعد ان سب کی اصلاح ہو گئی، یہ وہی باتیں تھیں جن کی طرف حضرت مجدد نے امرائے سلطنت کو اپنے مکاتیب کے ذریعہ بڑی دل سوزی کے ساتھ بار بار متوجہ کیا تھا۔

جہانگیر کے متعلق بعض مورخین کو یہ غلط فہمی ہے کہ وہ بھی اپنے باپ کی طرح بے دین اور لامذہب تھا چنانچہ ڈاکٹر گستاولی بان (G. Le. Ban) لکھتا ہے:-

> "جہانگیر (۱۶۰۵ء تا ۱۶۴۸ء) اگرچہ اپنے باپ کے برابر نہ تھا لیکن اس کے ساتھ ہی نہایت ہی نامور بادشاہ تھا، لامذہب ہونے کے سبب سے اس نے بھی اپنے باپ کا طریقہ جاری رکھا، اس نے ہندو اور مسلمان بی بیاں کیں اور دونوں کے ساتھ برابر کا برتاؤ کرتا رہا، جہانگیر نے نصرانیوں کو بھی پناہ دی اور اس کے دارالسلطنت میں میں تقریباً ساٹھ نصرانی تھے" (۴۹)

اڈورڈیز (Edwardes) بھی جہانگیر کے مذہب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

> "اس میں شک نہیں کہ اس اعلان عام نے اہل سنت و جماعت کو

مطمئن کر دیا ہو گا، لیکن جہانگیر باجود اس اقرار و اعلان کے کبھی بھی ایک پاکباز متقی مسلمان نہیں رہا، اپنے باپ کی طرح اس کے رجحانات بھی ملحدانہ تھے، علماء اور عیسائی پادریوں کے درمیان جو مباحث ہوتے تھے ان کو وہ خوشی خوشی سنتا تھا، فنون لطیفہ کو ہمیشہ پسند کرتا تھا، مذہبی قسم کی تصاویر اس کی چاروں طرف آویزاں تھیں، ان میں زیادہ تر تو عیسائی طرز کی ہوتی تھیں، جس سے اس کے بہت سے درباریوں کو چڑ تھی، وہ اس حد تک آگے بڑھ گیا تھا کہ عیسائی علامتی نقوش بھی اپنی مہر پر کندہ کرا لیے تھے" (۵۰)

لیکن یہ بیانات کہ جہانگیر، اکبر کی طرح لامذہب اور ملحد تھا۔ صحیح نہیں معلوم ہوتے، اکبر کی زندگی ہی میں اس نے مولانا میر کلاں ہروی، مولانا قطب الدین اور عبدالرحیم خان خاناں سے استفادہ کیا تھا، خان خانان، حضرت مجدد کے خاص معتقدین میں تھے، مکتوبات شریف میں ان کے نام بہت سے خطوط ہیں، ان کے واسطے سے جہانگیر پر حضرت مجدد کے اثرات ضرور ہوتے ہوں گے، اور آخر میں جب حضرت مجدد چند سال لشکر شاہی کے ہمراہ رہے تو یہ اثرات اور نمایاں ہو گئے، حضرت مجدد نے صرف جہانگیر کا مزاج نہیں بدلا بلکہ حقیقت تو یہ کہ مزاج حکومت تبدیل کر دیا۔

اس میں شک نہیں کہ جہانگیر ۹۷۷ھ / ۱۵۶۹ء میں راجہ بہاری مل کی لڑکی کے بطن سے پیدا ہوا اور ۹۹۳ھ / ۱۵۸۵ء میں راجہ بھگوان داس کی لڑکی سے اس کی شادی ہوئی، اس کے علاوہ اس نے اور بھی ہندو بیویاں کیں اور یہ بھی صحیح ہے کہ ۱۰۱۷ھ ۱۶۰۸ء میں کپتان ہاکنز (William Haukins) جیمز اول

(James I) کا پیغام دربار جہانگیری میں لایا اور اس کے بعد ۱۰۲۴ھ / ۱۶۱۵ء میں ولیم اڈورڈیز (William Edwardes) ایک دوسرا پیغام لایا اسی سال سر تھامس رو (Thomas Roe) بھی جہانگیر کے دربار میں آیا اور تین سال مقیم رہا، یہ سب کچھ ہوا مگر ان کی بنیاد پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہندو ذہنیت رکھتا تھا یا عیسائیوں کی طرف مائل تھا۔ جہانگیر اول آخر مسلمان تھا، البتہ جیسا کہ حضرت مجدد کے بعض سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ آخر عمر میں ایک متقی اور پرہیز گار مسلمان ہوگیا تھا صحیح نہیں معلوم ہوتا، جہانگیر ایک آزادمنش مسلمان تھا، اس نے آخر وقت تک شراب پی ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ اس نے اسلام کی حمایت کی اور اس کے عہد میں اسلام کو فروغ ہوا اور اس کی یہ حمایت اس وقت اور بھی تیز ہوگئی جب آخری زمانے میں اس کو حضرت مجدد کی صحبتیں نصیب ہوئیں اور آپ نے تبلیغ و ارشاد سے اس کی اصلاح کی کوشش کی۔ بہرحال جہانگیر نے حضرت مجدد کے اثرات کے تحت رفتہ رفتہ سلطنت کی اصلاح کی، چنانچہ شاہ جہاں (م۔ ۱۰۶۹ھ / ۱۶۸۵ء) اور اورنگزیب (م۔ ۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء) کے دور میں حالات بہتر سے بہتر ہوتے چلے گئے، مذہب اسلام کی ترقی و ترویج کے اعتبار سے ہم جہانگیر کے دور کو عبوری دور کہہ سکتے ہیں جس میں ان بہت سی خرابیوں کا قلع قمع کر دیا تھا، جس کی بنیاد اکبر نے رکھی تھی، اور اس کی تکمیل شاہ جہاں اور اورنگزیب کے دور میں ہوئی،

مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کے تخت نشین ہوتے ہی آپ نے اصلاح و تبلیغ کا کام تیز کر دیا تھا، تخت نشینی سے پہلے شیخ فرید بخاری نے جہانگیر کو اسلام کی طرف بڑی حد تک راغب کر لیا تھا، اور تخت نشینی کے فوراً ہی بعد حضرت مجدد نے مختلف امراء کے نام خطوط ارسال

فرمائے کہ وہ بادشاہ کو اتباع سنت و شریعت کیطرف راغب کریں، سید صدر جہاں کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس وقت جبکہ حکومتوں میں انقلاب آگیا ہے، اور دوسرے مذاہب کی دشمنی خاک میں مل چکی ہے، ائمہ و علمائے اسلام پر لازم ہے کہ اپنی تمام تر توجہ ترویج شریعت غرا کی طرف مبذول کر دیں اور شریعت کے جو ستون منہدم ہو گئے ہیں ان کو پھر کھڑا کریں" (۵۱)

خان جہاں کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب کبھی آپ بادشاہ سے ملاقات کریں اور وہ آپ کی باتیں سننے کی طرف متوجہ ہو تو کیا اچھا ہو کہ صراحتاً یا کنایتاً معتقدات اہل سنت والجماعت (خدا انکی کوششوں کو قبول فرمائے) کے مطابق کلمہ۔ حق یعنی کلمہ۔ اسلام ان کے کانوں تک پہنچائیں" (۵۲)

شیخ فرید بخاری الملقب بہ مرتضیٰ خاں کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"آج جب کہ بادشاہ کی تخت نشینی کی خوش خبری خاص و عام کے کانوں تک پہنچ رہی ہے اور دولت اسلام کا زوال ختم ہو رہا ہے مسلمانوں نے اپنے لیے ضروری سمجھا کہ بادشاہ کے معین و مددگار اور شریعت کی ترویج اور ملت اسلامیہ کی تقویت کے لیے کوشاں ہوں، یہ اعانت و تقویت خواہ زبانی ہو خواہ عملاً۔ سب سے بڑھ کر دولت اور امداد تو یہ ہے کہ مسائل شرعیہ کو بیان کیا

جائے تاکہ کوئی مبتدع اور گمراہ درمیان میں حائل نہ ہو اور راہ سے نہ بھٹکائے اور معاملہ ابتر نہ ہو جائے چونکہ حق سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو قرب شاہی پوری طرح عنایت فرمایا ہے اور ساتھ ہی استطاعت بھی بخشی ہے اس لیے آپ سے توقع ہے کہ بادشاہ سے جب ملنے جلنے کا موقع ملے تو شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج کی سعی کرتے رہیں اور مسلمانوں کو وطن میں بے وطنی کی زندگی سے نجات دلائیں"۔ (۵۴)

تخت نشینی کے بعد بھی سلطنت میں کچھ سابقہ مشرکانہ رسمیں چلی آرہی تھیں، اور خود حرم شاہی میں ہندو لڑکیوں کی وجہ سے یہ رسمیں عام تھیں، اس لیے حضرت مجدد نے ان کی اصلاح کے لیے شیخ فرید بخاری کے ذریعہ سعی فرمائی، چنانچہ موصوف کو ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان رسومات کی قباحت سے بادشاہ کو آگاہ کریں اور اس کو دور کرنے کی کوشش کریں، شاید یہ اس وجہ سے اختیار کی گئی ہوں کہ بادشاہ ان کی برائی سے اچھی طرح واقف نہ ہو" (۵۴)

حضرت مجدد کی ان اصلاحی اور تبلیغی مساعی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک دن وہ آیا جبکہ خود جہانگیر نے شیخ فرید بخاری (م ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء) کو حکم دیا کہ بادشاہ کو امور شرعیہ میں مشورہ دینے کے لیے علماء کی ایک مجلس قائم کیجائے، اکبری دور کی لادینیت کو سامنے رکھتے ہوئے۔ اس اسلامی انقلاب کو دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ لادینیت کے اندر دین کا آوازہ حضرت مجدد ہی نے بلند کیا تھا، اور یہ جو کچھ ہو رہا تھا ان ہی کی مساعی جمیلہ کا ثمر شیریں تھا۔

حضرت مجدد کو جب یہ معلوم ہوا کہ جہانگیر نے شیخ فرید بخاری سے علماے۔ اسلام کی ایک مجلس مشاورت قائم کرنے کے لیے کہا ہے تو آپ نے گزشتہ تلخ تجربات کی روشنی میں شیخ فرید بخاری کو چند ضروری اور اہم ہدایات فرمائیں۔ ان کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"سنا گیا ہے کہ بادشاہ اسلام (جہانگیر) نے اپنے اسلامی حسن باطن کی بنا پر آپ سے فرمایا ہے کہ آپ چار ایسے دیندار عالم مہیا کریں جو حاضر رہ کر مسائل شرعیہ بیان کیا کریں تاکہ کوئی امر خلافِ شرع واقع نہ ہو۔ الحمد للہ سبحانہ علی ذٰلک مسلمانوں کے لیے اس سے بہتر کیا بشارت اور ماتم زدگان کے لیے اس سے اچھی کیا خوشخبری ہو سکتی ہے، چونکہ فقیر اسی (دینی) غرض سے آپ کی طرف متوجہ رہتا ہے اور بار بار اس امر کا اظہار بھی کیا جا چکا ہے، اس لیے ضرورۃً (اب بھی) اس بارے میں کہنے اور لکھنے سے باز نہ رہوں گا امید ہے کہ مجھے معذور قرار دیں گے۔ "صاحب الغرض مجنون" اس لیے گزارش ہے کہ ایسے علماء دیندار جو حُبِ جاہ اور حبِ ریاست سے علیحدہ ہوں اور ترویج شریعت اور تائید ملت کے علاوہ کوئی مقصد نہ رکھتے ہوں، تعداد میں بہت قلیل ہیں۔ اگر ان میں حب جاہ ہوگی تو ہر ایک کوئی نہ کوئی ڈگر اختیار کر کے اپنی فضیلت کا اظہار کرے گا، اختلافی مسائل درمیان میں لائے گا اور اس کو بادشاہ کے قرب کا ذریعہ بنائے گا، اس صورت میں لامحالہ دین کی مہم ابتر ہو جائے گی، زمانہ گزشتہ (عہد اکبری) میں علماے۔ سوء کے

اختلافات نے ہی دنیا کو بلا میں ڈالا تھا ۔۔۔۔۔۔۔ اب بھی صحبت علمائے سو کا اندیشہ درپیش ہے ۔۔۔۔۔۔۔ ایسی صورت میں ترویج دین کیا خاک ہوگی بلکہ الٹی تخریب دین ہو جائے گی، میں علمائے سوء کے فتنے سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں ۔۔۔۔۔۔۔۔ (میرے نزدیک) اگر صرف ایک عالم کو اس غرض کے لیے منتخب کیا جائے تو بہتر ہوگا، علمائے آخرت میں سے کوئی عالم میسر ہو تو اس سے اچھی کیا بات ہے، اس کی صحبت کبریت احمر کا حکم رکھتی ہے ۔۔۔۔۔۔۔ اگر وہ میسر نہ آئے۔ تو غور و فکر کے بعد علماء میں سے کسی بہتر و غنیمت عالم کا انتخاب کر لیا جائے، مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ۔ اس بارے میں سوائے اس کے اور کیا لکھوں کہ جس طرح خلایق کی رستگاری علماء کے وجود سے وابستہ ہے اسی طرح دنیا کا زیان بھی ان ہی پر منحصر ہے، بہترین علماء بہترین عالم ہیں اور بد ترین علماء بد ترین خلایق۔ ہدایت اور گمراہی دونوں ان پر موقوف ہے، ایک شخص نے ابلیس کو دیکھا کہ وہ بیکار بیٹھا ہوا ہے، تو اس کا سبب پوچھا اس نے جواب دیا کہ اس زمانے کے علماء میرا کام انجام دے رہے ہیں اور وہ دنیا کو گمراہ کرنے کے لیے کافی ہیں۔

عالم کہ کامرانی و تن پروری کند
او خویشتن گم است کرا رہبری کند

اس لیے اس معاملہ میں پورے اخلاص سے غور و فکر کے بعد قدم اٹھانے کی ضرورت ہے، ورنہ جب موقع ہاتھ سے نکل جاتا

ہے تو پھر کوئی علاج کارگر نہیں ہوتا، اس قسم کی باتیں زیرک
اور ہوشمند آدمیوں کے سامنے کہتے ہوتے شرم آتی ہے لیکن
اپنے لیے سعادت سمجھ کر عرض کیا گیا" (۵۵)

حواشی باب سوم

۱۔ الفرقان، شاہ ولی اللہ، نمبر ۱ بریلی، ۱۳۵۹ھ / ۱۹۴۰ء، ص۔۵۱

۲۔ Wm. Theodre De Bary: Sources of Indian Tratition, New York, 1959, p 449

۳۔ Sources of Indian Tradition, p.449

۴۔ محی الدین ابن العربی، ترجمان الاشواق

۵۔ محی الدین ابن العربی، فصوص الحکم
Rom Landau: The Philosophy of Ibn Arabi , London , 1959 , p.74-75 , Nicholson Studies In Islamic Mysticism.

۶۔ S.T.Arnold etc.: The Legacy of Islam, London, 1952, p.226

۷۔ ڈاکٹر تارا چند، تمدن ہند پر اسلامی اثرات، مترجمہ راقم، ص ۹۷

۸۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ، ص ۴۔۸۳

۹۔ محمد اکرام، رود کوثر، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۲۶۱

۱۰۔ احسان اللہ عباسی، مجدد الف ثانی، مطبوعہ رامپور، ۱۹۲۶ء، ص ۹۷

۱۱۔ برہان الدین فاروقی، تصور توحید، لاہور، ۱۹۴۷ء، ص ۲۶۷

۱۲۔ خواجہ کمال الدین، روضۃ القیومیہ، رکن اول، ص ۱۱۳

۱۳۔ مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، حصہ دوم، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ مکتوب نمبر ۴۳، ص ۔۶

۱۴۔ Sources of Indian

Tradition, New York, 1959, p. 449

۱۴۔ رود کوثر، ص۔ ۲۶۷

۱۵۔ نور الخلائق، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ، مکتوب نمبر ۴۴

۱۶۔ درالمعرفت، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ، مکتوب نمبر ۴۱

۱۷۔ رود کوثر، ص۔ ۱۶۷

۱۸۔ رود کوثر، ص ۱۶۷

۱۹۔ درالمعرفت مطبوعہ ، حصہ سوم، مکتوب نمبر ۱۶۷، ص ۱۔ ۵۰

۲۰۔ شاہ ولی اللہ، فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود، ص ۲۹، بحوالہ برہان الدین فاروقی ، تصور توحید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء

۲۱۔ فیصلہ وحدۃ الوجود والشہود، ص ۷، بحوالہ برہان الدین فاروقی ، تصور توحید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء

۲۲۔ شاہ رفیع الدین، دمغ الباطل، ص ۵۔۳، بحوالہ مذکور

۲۳۔ عبقات، ص ۲۶ تا ۲۷

۲۴۔ نالہ عندلیب، ص ۳۶۷، بحوالہ مذکور

۲۵۔ خواجہ میر درد، علم الکتاب، ص ۱۸۴، بحوالہ مذکور

۲۶۔ غلام یحییٰ، کلمۃ الحق، ص ۲۴، بحوالہ مذکور، ص ۱۲۶:

۲۷۔ شاہ غلام علی، مقامات مظہری، ص ۱۰۱، بحوالہ مذکور، ص ۱۲۷

۲۸۔ Sources of Indian Tradition, p.437.

۲۹۔ (i). Dr. Muhammad Iqbal: Construction of Religious Thought in Islam, Lahore, 1944, p.192.

(ii). Dr. Inayatullah: The Encyclopaedia of Islam (New Edition) Vol I, p-298.

(iii). Dr.Yusuf Husain: The Glimpses of Medicval Indian Culture, Calcutta, 1959, p-61

۳۰۔ درالمعرفت، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۸۴، ص ۷۷۸

۳۱۔ درالمعرفت، حصہ اول، مکتوب نمبر ۳۶، ص ۸۔۷۷

۳۲۔ درالمعرفت، حصہ دوم، مکتوب نمبر ۵۷، ص ۳۰

۳۳۔ نور الخلائق، مطبوعہ امرتسر، ۱۳۳۳ھ، ص ۹

٣٤۔ درالمعرفت، حصہ سوم، مکتوب نمبر ١٨٦، ص ٧٤

٣٥۔ ایضاً، ص ٧٣

٣٦۔ نورالخلائق، حصہ ششم، مکتوب نمبر ٤، ص ٨-٩٧

٣٦۔ ایضاً ابو مستقیم، مطبوعہ ضیائی، ص ٤٠

٣٧۔ Muhammadanism, London, 1955, p.125

٣٨۔ نورالخلائق، مکتوب نمبر ٥٠، مولوی سکندر علی، بدیہ مجدیہ، مطبوعہ دہلی، ١٣٠٩ھ، ص ١٣٦

٣٩۔ درالمعرفت، حصہ دوم، مکتوب ٣٨، ص ٢١

٤٠۔ ایضاً، حصہ اول، مکتوب نمبر ٢٥، ص ٦٦

٤١۔ ایضاً، حصہ دوم، مکتوب ٨٣، ص ٧٦-٧

٤٢۔ ایضاً، حصہ سوم، مکتوب نمبر ١٥٢، ص ٢٨

٤٣۔ ایضاً، حصہ سوم، مکتوب نمبر ١٩١، ص ٧٧

٤٤۔ درالمعرفت، حصہ سوم، مکتوب نمبر ١٦٣، ص ٤٥-٦

٤٥۔ ایضاً، مکتوب نمبر ١٩١، ص ٧٨-٩

٤٦۔ ایضاً، مکتوب نمبر ١٦٣، ص ٤٥

٤٧۔ Dr.Tripathi: Rise and Fall of the Mughal Empire 1956, p.355-6

٤٨۔ S.Edwardes: Mughal Rule in India, London, 1930, p.55

٤٩۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان، تمدن ہند، مترجمہ سید علی بلگرامی، مطبوعہ آگرہ، ١٩١٤ء، ص ١٦٠

٥٠۔ Mughal Rule in India, 1930, p.62

٥١۔ درالمعرفت، مکتوب نمبر ١٩٥

٥٢۔ بحوالہ محمد منظور نعمانی، تذکرہ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنؤ، ص ١٣٧

٥٣۔ درالمعرفت، مکتوب نمبر ٤٧

٥٤۔ ایضاً، مکتوب نمبر ١٩٤

٥٥۔ مکتوبات شریف، حصہ اول، مکتوب بنام شیخ فرید

(۴)

واقعہ اسیری

شہپر زاغ و زغن در بند قید و صید نیست
ایں سعادت قسمت شہباز و شاہین کردہ اند

پچھلے باب میں جہانگیر (م۔ ۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷ء) پر حضرت مجدد (م۔ ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) کے بالواسطہ اثرات کا جائزہ لیا گیا تھا، پیش نظر باب میں بلا واسطہ اثرات کا جائزہ لیا جائے گا، اس سے پہلے کہ ان اثرات کو بیان کیا جائے، اس اہم واقعہ کا تفصیلی ذکر ضروری ہے، جس نے ان اثرات کے لیے راہ ہموار کی۔

مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۹ء تک جہانگیر سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی تھی، البتہ مراسلت ضرور تھی چنانچہ دفتر سوم میں یہ مکتوب ملتا ہے:۔

> "بادشاہ کی فتح و نصرت کی دعا کی جاتی ہے، کیونکہ اجرائے احکام شریعت، سلطنت کی تائید اور تقویت پر منحصر ہے، فتح و نصرت کی دو قسمیں ہیں، ایک اسباب وغیرہ، یہ فتح و نصرت کی ظاہری صورت ہے، دوسری قسم، فتح و نصرت کی حقیقت ہے، وہ مسبب الاسباب کی طرف سے ہے، وماالنصر الا من عنداللہ اس حقیقت فتح و نصرت کا تعلق خاصان خدا کی دعاؤں سے ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے، لا یرد القضاء الا الدعا خدا کے حکم کو کوئی چیز نہیں ٹال سکتی لیکن

دعا، تلوار اور جہاد میں یہ قوت نہیں کہ وہ قضاے الٰہی کو ٹال دے، لیکن دعا میں خدا نے یہ طاقت رکھی ہے، اس لیے لشکر کی قوت سے دعا کی قوت زیادہ قوی اور موثر ہے، قوت لشکر، مثال جسم کی ہے، اور دعا مثل روح کے ہے، بغیر روح جسم کار آمد نہیں، اس لیے فقرا کی دعاؤں کا فوجوں کے ساتھ ہونا ضروری اور لابدی ہے، حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام جہاد کے وقت فوجی قوت کے باوجود فقرا۔ مہاجرین کے وسیلہ سے فتح و نصرت کی دعا کرتے تھے، حضور نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن علماء کی سیاہی شہداء کے خون سے بہتر ہوگی، اگر چہ فقیر اپنے کو اس لائق نہیں پاتا کہ لشکر شاہی کے دعا گوؤں میں شامل کرے، لیکن فقیر کے نام اور دعا کی اجابت کی امید کی وجہ سے لشکر شاہی سے الگ بھی نہیں ہے" (۱)

چونکہ حضرت مجدد کی شہرت دور و نزدیک پھیل گئی تھی، اس لیے بعض تذکرہ نگاروں کا یہ کہنا ہے کہ جہانگیر کے وزیر اعظم آصف جاہ نے جو مذہباً شیعہ تھا، حضرت مجدد کی اس عام مقبولیت کو دیکھ کر جہانگیر کو آپ کے خلاف بھڑکایا، اور حضرت مجدد کو ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۹ء یعنی تخت نشینی کے چودھویں سال کے تیسرے مہینے میں دربار میں طلب کر کے قید کر دیا۔ ڈاکٹر برہان الدین فاروقی لکھتے ہیں:-

"جہانگیر کے وزیر اعظم آصف جاہ نے جہانگیر کو مشورہ دیا کہ شیخ احمد کے باب میں احتیاط سے کام لیا جائے، کیونکہ ان کا اثر ہندوستان، ایران، توران اور بدخشاں میں پھیلتا جا رہا ہے اس

نے یہ بھی مشورہ دیا کہ فوج کے سپاہیوں کو حضرت مجدد کے
مریدین کے پاس آنے جانے اور عہد کرنے سے روکا جائے اور
شیخ احمد کو نظر بند کر دیا جائے" (۲)

مگر یہ واقعہ محض قیاس پر مبنی معلوم ہوتا ہے، اس میں شبہ نہیں کہ جہانگیر کے دربار میں شیعوں کا کافی اثر ورسوخ تھا اور وہ حضرت مجدد سے خوش نہ تھے، مگر یہ کہنا کہ آصف جاہ یا شیعوں کے بھڑکانے سے حضرت مجدد کی گرفتاری عمل میں آئی، تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں معلوم ہوتا، البتہ گرفتاری کے اور اسباب میں ایک سبب یہ بھی کہا جا سکتا ہے۔ خود جہانگیر نے تزک میں حضرت مجدد کی گرفتاری کا سبب یہ بتایا ہے کہ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں خود کو خلفاء اربعہ سے افضل بتایا ہے، ظاہر ہے کہ شیعہ حضرات یہ بات کیسے سمجھا سکتے تھے؟

ڈاکٹر عنایت اللہ نے بھی لکھا ہے کہ حضرت مجدد کی گرفتاری شیعوں کی معاندانہ سرگرمیوں کی وجہ سے ہوئی، مگر اسی کے ساتھ اس واقعہ کا بھی ذکر کر دیا ہے جو گرفتاری کا اصل سبب ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"شیعوں کا جہانگیر کے دربار میں کافی اثر ورسوخ تھا، حضرت مجدد نے جس شد ومد کے ساتھ ان کے نظریات کی تردید کی اس سے آپ کی شخصیت ان کی نظروں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی، چنانچہ انہوں نے (بادشاہ) کو یہ سمجھایا کہ حضرت مجدد کی سرگرمیاں سلطنت کی لیے خطرناک ہیں۔ چنانچہ آپ کی ایک مکاشفانہ تحریر کی بنیاد پر آپ کو ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۹ء میں دربار میں طلب کیا گیا، دربار میں داخلہ کے وقت آپ کے بے نیازانہ طرز عمل کو دیکھ کر بادشاہ ناخوش ہوا اور قلعہ گوالیار میں

قید کرنے کا حکم دے دیا" (۴)

جس مکتوب پر جہانگیر نے گرفت کی تھی وہ مکتوبات حضرت مجدد کی جلد اول کا گیارھواں مکتوب ہے، اس جلد کو حضرت مجدد کے خلیفہ خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانی علیہ الرحمہ نے ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء میں مرتب کیا تھا، یہ مکتوب کافی طویل ہے، یہاں صرف اس حصہ کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جس پر مواخذہ کیا گیا تھا، اس میں حضرت مجدد اپنے شیخ طریقت خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ کو تحریر فرماتے ہیں:-

"دوسری یہ عرض ہے کہ اس مقام کے ملاحظہ کے دوران یکے بعد دیگرے دوسرے مقامات عالیہ بھی ظاہر ہوتے گئے، نیاز و شکستگی کی جانب توجہ کے بعد جب اس سابق مقام سے دوسرے مقام پر پہنچایا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ مقام، مقام ذوالنورین ہے، دوسرے خلفاء نے بھی اس مقام کو عبور کیا، اور یہ مقام بھی، مقام تکمیل و ارشاد ہے۔ اسی طرح دو دوسرے مقامات عالیہ پر پہنچایا گیا، جن کا ذکر ابھی آتا ہے، اس مقام کے اوپر ایک دوسرا مقام آیا، جب اس مقام پر پہنچایا گیا تو معلوم ہوا کہ یہ مقام فاروقی ہے، دوسرے خلفاء بھی اس مقام سے گزرے ہیں، اس مقام کے اوپر مقام صدیق اکبر نظر آیا، رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، اس مقام پر بھی پہنچایا گیا" (۵)

تزک جہانگیری میں خود جہانگیر نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے جس سے حضرت مجدد کے خلاف اس کے غیظ و غضب کا اظہار ہوتا ہے۔ اہل سیاست نے علماء حق کے خلاف یہی حربے استعمال کیے ہیں مگر تائید الٰہی علماء حق ہی کے شامل

حال رہی، جہاں گیر لکھتا ہے۔

"انہی دنوں (چودھویں جلوس شاہی) مجھ سے عرض کیا گیا کہ شیخ احمد نامی ایک جعلساز نے سرہند میں مکروفریب کا جال بچھا کر بھولے بھالے لوگوں کو پھانس رکھا ہے، اس نے ہر شہر اور ہر علاقہ میں ایک ایک خلیفہ مقرر کیا ہے، جو لوگوں کو فریب دینے اور معرفت کے دکانداری کرنے میں بہت پختہ ہیں، اس نے اپنے مریدوں اور معتقدوں کے نام وقتاً فوقتاً جو خرافات خطوط لکھے ہیں انھیں مکتوبات کے نام سے ایک کتاب کی شکل میں جمع کیا ہے، اس دفتر بے معنی میں اس نے بہت سی ایسی لغو باتیں تحریر کی ہیں، جو کفر کی حد تک پہنچتی ہیں، ایک مکتوب میں اس نے لکھا ہے کہ مقامات سلوک طے کرتے ہوئے وہ مقام ذوالنورین میں پہنچا، جو نہایت عالیشان اور پاکیزہ تھا، وہاں سے گزر کر مقام فاروق اور مقام فاروق سے گذر کر مقام صدیق میں پہنچا، پھر وہاں سے گذر کر مقام محبوبیت میں پہنچا، جو نہایت منور و دلکش تھا، اس مقام پر اس پر مختلف الالوان روشنیوں کے پرتو پڑتے رہے، گویا استغفر اللہ بزعم خویش وہ خلفاء کے مرتبے سے بھی بڑھ گیا، اور ان سے عالی مقام پر فائز ہوا اس نے اسی طرح کی اور بھی گستاخانہ باتیں خلفاء کی شان میں لکھی ہیں، جن کو تحریر کرنا طوالت اور خلفاء کی شان میں بے ادبی کا باعث ہو گا"۔

ان وجوہ کی بنا پر میں نے اسے دربار میں طلب کیا تھا، جب حسب

قلعہ گوالیار (بھارت) جہاں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے
۱۰۲۸ھ/۱۶۱۹ سے ۱۰۲۹ھ/۱۶۲۰ تک ایک سال سنت یوسفی کی تکمیل فرمائی۔

الطلب وہ حاضر خدمت ہوا تو میں نے اس سے جتنے سوالات کیے،
ان میں سے کسی ایک کا بھی کوئی معقول جواب نہیں دے سکا،
بے عقل اور کم فہم ہونے کے علاوہ مغرور و خود پسند بھی ہے،
اس لیے میں نے اس کے حالات کی اصلاح کے لیے، یہی موزوں
سمجھا کہ اسے کچھ دنوں کے لیے قید رکھا جائے تاکہ اس کے مزاج
کی شوریدگی اور اس کے دماغ کی آشفتگی جاتی رہے، اور عوام
میں جو شورش پھیلی ہوتی ہے وہ تھم جائے، چنانچہ اسے انی رائے
سنگھ دلن کے حوالے کیا کہ اسے قلعہ گوالیار میں قید رکھے" (۵)

شاہ جہاں نے (م۔ ۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء) جو اس وقت شہزادہ خرم کے نام سے مشہور تھا، جب سنا کہ جہاں گیر نے حضرت مجدد کو دربار میں طلب کیا ہے تو اس کو بڑی فکر دامن گیر ہوئی کیونکہ وہ آپ سے انتہائی عقیدت و محبت رکھتا تھا، اس کو اس کا بھی کھٹکا تھا کہ حضرت مجدد دربار شاہی میں سجدہ تعظیمی نہ کرینگے، جس سے سنگین نتائج نکلنے کا امکان ہے، چنانچہ اس خطرے کے پیش نظر شاہ جہاں نے افضل خاں اور خواجہ مفتی عبدالرحمن کو چند کتابیں دے کر حضرت مجدد کے پاس بھیجا، اس کی تفصیل مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کی زبانی سنیئے، وہ لکھتے ہیں:۔

"سلطان شاہ جہاں بن سلطان جہانگیر، جناب شیخ سے اخلاص
رکھتا تھا، چنانچہ اس سے قبل کہ آپ دربار شاہی میں تشریف
لیجائیں، دو پیامبروں یعنی افضل خان اور خواجہ عبدالرحمن مفتی
کو چند فقہ کی کتابیں دے کر شیخ کے پاس بھیجا اور یہ کہلا بھیجا
کہ علماء نے سلاطین کے لیے سجدہ تعظیمی جائز قرار دیا ہے اگر
آپ بادشاہ کو سجدہ کر لیں گے تو میں اس بات کی ضمانت دیتا

ہوں کہ آپ کو بادشاہ سے کوئی گزند نہ پہنچے گا، لیکن شیخ نے
اس کو منظور نہ کیا، اور فرمایا کہ یہ تو رخصت ہے، عزیمت یہ
ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ نہ کیا جائے " (۱)

حضرت مجدد نے عزیمت کو رخصت پر (یعنی اجازت پر استقامت کو) ترجیح دے کر تاریخ ہند کو یکسر بدل دیا، اگر آپ رخصت پر عمل کر لیتے تو تو تاریخ ہند کا کچھ اور ہی نقشہ ہوتا، شاہی دربار میں حاضری کے بعد جو معاملہ پیش آیا اسکی تفصیل یہ ہے:-

" سلطان (جہانگیر) نے حضرت مجدد سے کہا میں نے سنا ہے کہ تم نے لکھا ہے کہ تمہارا مرتبہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مرتبہ سے بھی بلند ہے؟ شیخ نے اس کا اقرار کیا اور جواب میں فرمایا کہ "اگر آپ اپنے ایک ادنیٰ خادم کو اپنے پاس طلب فرمائیں تو یقیناً وہ خادم امراء کے مقامات و مدارج کو طے کر کے آپ تک پہنچے گا، اس کے بعد پھر اپنی جگہ پر واپس چلا جائے گا، اس سے تو یہ لازم نہیں آتا کہ اس ادنیٰ خادم کا مرتبہ امراء کے مرتبہ سے بڑھ گیا" اس جواب پر بادشاہ خاموش ہو گیا، اور عتاب سے درگذر کیا، اسی اثنا میں حاضرین میں سے ایک شخص نے سلطان سے عرض کیا کہ "آپ نے اس شیخ کے تکبر کو ملاحظہ نہیں فرمایا؟ اس نے آپ کو سجدہ تک نہیں کیا، حالانکہ آپ ظل اللہ اور خلیفۃ اللہ ہیں، بلکہ معمولی تواضع سے بھی کام نہیں لیا جو لوگ باہمی ملاقاتوں میں ظاہر کرتے ہیں" یہ سن کر بادشاہ غضبناک ہو گیا اور آپ کو گوالیار میں قید کر دیا گیا" (۲)

قلعہ گوالیار (بھارت) جہاں سجدہ تعظیمی سے انکار کی پاداش میں جہانگیر بادشاہ
نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو ایک سال نظر بند رکھا

جہانگیر سے حضرت مجدد کی ملاقات کو اس طرح بھی بیان کیا جاتا ہے:۔

"آپ نے دیکھا کہ بادشاہ مستی کی حالت میں ہے اور حقائق و دقائق کو نہیں سمجھ سکتا، نیچے اتر کر عامیانہ اور قریب الفہم جواب دیا، اور فرمایا کہ میں تو اپنے کو کتے سے بھی افضل نہیں سمجھتا چہ جائیکہ حضرت صدیق اکبر سے افضل کہوں؟ لیکن چونکہ یہ حال اور عروج واقعہ ہوا تھا اس لیے میں نے اپنے شیخ کو اس لیے مخفی طور پر لکھا تھا کہ وہ اس کی صحت و سقم کا پتہ لگائیں، دشمنوں نے اس کو نا سمجھی سے آپ کے سامنے پیش کر دیا، اس کے بہت سے جواب ہیں آسان تر جواب یہ ہے کہ شاہ نے مجھکو پچاس سال کے بعد آج یاد فرمایا ہے، اور اپنے حضور میں طلب کیا ہے، اور میں امیروں اور شاہزادوں کے مقامات سے گزر کر آپ کے سامنے کھڑا ہوں، کیا اس وقت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ میں پانچ ہزاری اور دس ہزاری امرء سے افضل ہو گیا ہوں؟ حالانکہ میرا وہی بوسیدہ گھر ہے جو سہرند میں مشہور و معروف ہے، ایک مدت کے بعد مجھکو شاہ کے دربار میں پہنچایا گیا، امرا کے مقامات سے بالا تر کیا گیا اور آپ کے قریب کر دیا گیا، تھوڑی دیر بعد اپنے گھر واپس چلا جاؤنگا اور ساری عمر اپنے اسی اصل مسکن میں رہوں گا اور آپ کے وزراء ہمیشہ آپ کے قریب رہیں گے۔ ہم جیسے تو اپنی ضرورت کے لیے ساری عمر میں ایک مرتبہ آپ کے پاس آئیں گے اور واپس جائیں گے، اس طرح اصحاب کرام بھی ہمیشہ حضرات پیغمبر علیہ السلام کے قریب ہیں اور ہم

غرض منددوں کی طرح عمر میں ایک بار ان کے حضور میں پہنچے
اور حاجت روائی کے بعد واپس آ گئے، اور اپنے اصل مقام پر
قائم ہیں اور زندہ ہیں" (۸)

مندرجہ بالا اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد کی گرفتاری کا اصل سبب آپ کی عزیمت پسندی تھی جس کا ڈاکٹر اقبال نے یوں ذکر کیا ہے:۔

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمئ احرار

نواب صدیق حسن خاں نے بھی یہی لکھا ہے:۔

"سلطان جہانگیر نے سجدہ تعظیمی نہ کرنے کی وجہ سے آپ کو
قلعہ گوالیار میں محبوس کیا"

غلام علی آزاد نے اپنی غزل میں اسی طرف اشارہ کیا ہے:۔

لقد برع الاقران فی الھند ساجع
وجدد فن العشق یا للمغرد
فلا عجب ان صاده متقنص
الم تر فی الاسلاف قید المجدد (۹)

مکتوب کے سلسلے میں حضرت مجدد پر جو الزام لگایا گیا تھا، جہانگیر کے پوتے داراشکوہ نے (م۔ ۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء) اسکی پرزور تردید کی ہے، وہ لکھتا ہے:۔

"آخر سال میں شیخ پر بعض اشخاص نے یہ اعتراض کیا بلکہ
تہمت لگائی کہ آپ اپنے کو خلفاے۔ راشدین سے بھی افضل
مانتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ محض بہتان تھا جو مخالفین نے

آپ پر لگایا تھا" (۱۰)

حضرت مجدد کے حبس بے جا کو مغربی فضلاء نے بھی مذموم قرار دیا ہے، چنانچہ ٹی ڈبلیو آرنلڈ لکھتے ہیں:۔

"سترہویں صدی عیسوی میں، ہندوستان میں شیخ احمد مجدد نامی ایک عالم تھے جنکو غیر منصفانہ طریقہ پر قید کیا گیا تھا، کہا جاتا ہے کہ انھوں نے قید خانہ میں کئی سو غیر مسلموں کو مشرف بہ اسلام کیا" (۱۱)

موصوف نے پریچنگ آف اسلام میں بھی قدرے تفصیل کے ساتھ اس واقعہ پر روشنی ڈالی ہے اس میں لکھا ہے:۔

"جہانگیر کے دور حکومت (۱۶۰۵ تا ۱۶۲۸ء) میں شیخ احمد مجدد نامی ایک سنی عالم تھے، انھوں نے شیعہ نظریات کی جس شدومد کے ساتھ تردید کی اس نے ان کو خاص طور پر ممتاز کر دیا تھا، اس لیے وہ ان پر چند جھوٹے الزامات لگا کر قید کروانے میں کامیاب ہو گئے، جن دو سالوں میں وہ قید خانہ میں رہے، انھوں نے اپنے کئی سو ہندو ساتھی قیدیوں کو مشرف بہ اسلام کیا" (۱۲)

سی، اے اسٹوری نے بھی حضرت مجدد کی نامناسب قید کی مذمت کی ہے، اس نے لکھا ہے:۔ ۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۹ء میں جہانگیر نے آپ کے مکتوبات کے بظاہر متکبرانہ جملوں کی آڑ لے کر گوالیار میں محبوس کر دیا" (۱۳)

ان بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت مجدد نے قلعہ گوالیار میں قید و بند کے دوران بھی بیعت و ارشاد کا سلسلہ جاری رکھا اور ہزاروں مشرکین کو حلقہ بگوش اسلام کیا بقول ڈاکٹر اقبال:۔

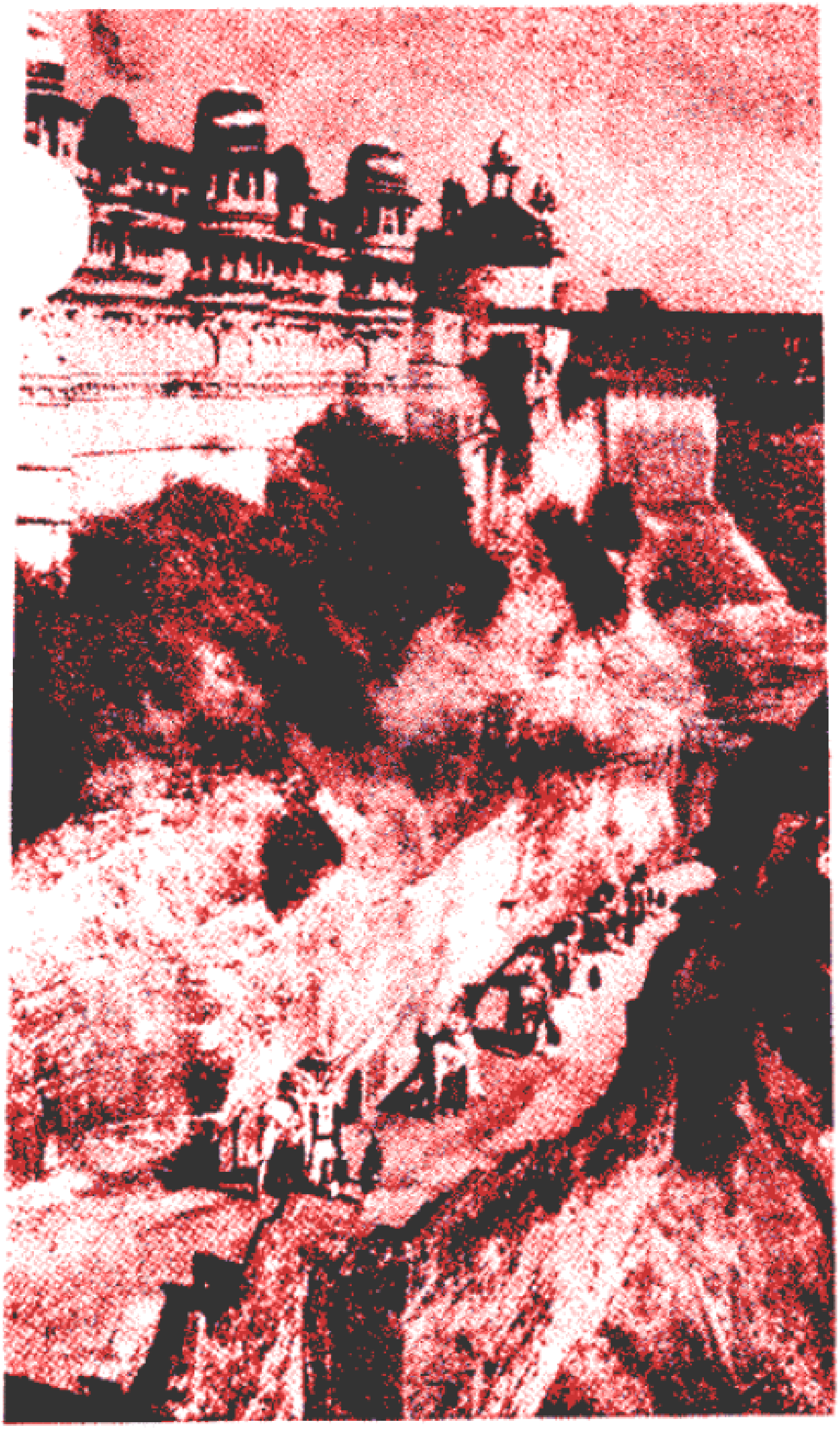

قلعہ گوالیار (بھارت) جہاں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ
نے سینکڑوں بت پرستوں کو مشرف با سلام کیا۔

اس کے نفس گرم کی تاثیر ہے ایسی
ہو جاتی ہے خاک چمنستاں شرر آمیز

مفتی غلام سرور لاہوری، حضرت مجدد کی قید پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"جب آپ قید خانے میں پہنچے تو چند ہزار کفار کو جو زندان شاہی میں محبوس تھے، مشرف بہ اسلام کیا، سینکڑوں لوگوں کو اپنی ارادت سے سرفراز فرماکر ولایت کے درجہ تک پہنچا دیا، حضرت شیخ نے قید خانہ میں کبھی بھی بادشاہ کے لیے بد دعا نہیں کی، بلکہ یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر بادشاہ مجھ کو قید نہ کرتے تو یہ چند ہزار لوگ جو دینی فوائد سے مستفید ہوتے ہیں محروم رہتے،اور جو ترقیات اور مقامات مجھ کو حاصل ہوئے ...... اور جن کا حصول نزول بلا ہی پر منحصر تھا، ہر گز حاصل نہ ہوتے" (۱۴)

حضرت مجدد کی گرفتاری کی خبر آناً فاناً ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی، پیر سید احمد علیہ الرحمہ کا بیان ہے:۔

"جس زمانے میں سلطان نے حضرت کو تکلیف پہنچائی میں ملک دکن میں تھا، ناگاہ میں نے سنا کہ سلطان زمان نے آپ کو سختی کے ساتھ طلب کر کے شہید کر دیا، میں اس وحشت ناک خبر سے بیقرار ہو گیا اور بازار میں نکل آیا تاکہ کسی قاصد سے کوئی فرحت اثر خبر سننے میں آئے" (۱۵)

چونکہ امرائے سلطنت، حضرت مجدد سے عقیدت رکھتے تھے اس لیے اس سانحہ سے ان میں بددلی پیدا ہو گئی بلکہ بعض تذکرہ نگاروں اور مورخوں کا بیان ہے کہ ان

میں بغاوت پھیل گئی لیکن صاحب زبدۃ المقامات اور صاحب حضرات القدس نے جو حضرت مجدد کے خلفاء میں سے تھے، اس بغاوت کا اشارۃً بھی ذکر نہیں کیا، البتہ صاحب روضتہ القیومیہ کمال الدین محمد احسان کا بیان ہے کہ "امرائے ہند خان خانان، خاں اعظم، سید صدر جہاں، اسلام خاں، مہابت خاں، مرتضیٰ خاں، قاسم خاں، تربیت خاں، خان جہاں لودھی، سکندر لودھی، حیات خاں، اور دریا خاں وغیرہ نے جب حضرت مجدد کی گرفتاری کی خبر سنی تو وہ سرکشی پر آمادہ ہو گئے، اور یہ طے پایا کہ مہابت خاں حاکم کابل کو سردار مقرر کیا جائے اور باقی فوج خزانے سے اس کی اعانت کرے، اور بدخشاں، خراسان اور توران کے حاکموں نے جو حضرت مجدد کے مرید تھے مہابت خاں کی مدد کی، جب اسکے پاس فوج و خزانہ کافی ہو گیا تو اس نے شاہی اطاعت سے سر پھیر لیا، دریائے جہلم پر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا، اسی اثناء میں خان خاناں اور دیگر امراء کی طرف سے مہابت خاں کو یہ پیغام پہنچایا گیا "فتنہ و فساد کو فرو کرو اور بادشاہ کی اطاعت کرو کیونکہ آنحضرت (حضرت مجدد) نے ایسا ہی فرمایا ہے (۱۶)

ڈاکٹر عبدالوحید خاں نے بھی مہابت خاں کی بغاوت کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

"لیکن اس قید نے گورنر کابل مہابت خاں کو بہت ہی چراغ پا کر دیا، اس نے جہانگیر کے خلاف بغاوت کر دی اور حسن اتفاق سے جہلم کے مقام پر جہانگیر کو قید کر لیا، پھر شیخ کے حکم پر رہا کر دیا، اس لئے جہانگیر نے جلد ہی شیخ کو رہا کر دیا جو بعد میں بادشاہ کے مشیرِ خصوصی ہو گئے۔ (۱۷)

لیکن مؤرخین نے مہابت خاں (م۔ ۱۶۳۴ء) کی بغاوت کو نور جہاں سے ذاتی مخاصمت کا سبب قرار دیا ہے، چنانچہ آلف کیرو لکھتا ہے:-

"یہ وہی مہابت خاں ہے جو بعد میں ملکہ نور جہاں کے خلاف ہو گیا تھا، اور دریائے جہلم کے کنارے پر خود بادشاہ کو قید کرنے کی فکر میں تھا۔" (۱۸)

جہانگیر نے تزک میں چودہویں سال جشن نوروز کے ذیل میں حضرت مجدد کی گرفتاری کا ذکر کیا ہے پھر اکیسویں سال جشن نوروز کے ذیل میں مرزا ہادی بیگ تکملہ نگار تزک نے مہابت خان کی بغاوت کا ذکر کیا ہے، اس طرح حضرت مجدد کی گرفتاری اور مہابت خان کی بغاوت کے درمیان تقریباً سات سال کا فرق ہے، اس لیے حضرت مجدد کی گرفتاری کو مہابت خاں کی بغاوت کا اصل سبب بتانا تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں معلوم ہوتا ہے، مرزا ہادی بیگ نے بغاوت کا اصل سبب یہ بتایا ہے کہ آصف خاں کو مہابت خاں سے پرخاش تھی، وہ نامعقول الزامات تراش کر مہابت خاں کو ذلیل کرنا چاہتا تھا اس لیے مہابت خاں نے مجبوراً یہ جرات مندانہ قدم اٹھایا، مرزا ہادی بیگ لکھتا ہے:۔

"گذشتہ اوراق میں یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ شہنشاہ نے عرب دست غیب کو مہابت خاں کے پاس روانہ کر کے اس سے ان ہاتھیوں کو طلب کیا تھا، جن پر وہ بنگال میں شاہ جہاں کی شورش کے زمانہ میں قابض ہو گیا تھا، اور یہ بھی تحریر کیا جا چکا ہے کہ اسے دربار میں حاضر ہونے کا بھی اشارۃً حکم دیا گیا تھا، انہی دنوں میں وہ مذکورہ احکامات کے مطابق دریائے جہلم کے کنارے شاہی لشکر کے پاس پہنچ گیا، حقیقت میں اسے آصف خاں کی تجویز پر طلب کیا گیا تھا، جس کا مقصد یہ تھا کہ اسے طرح طرح سے ذلیل و خوار کر کے اس کی عزت و ناموس اور جان و مال پر ہاتھ ڈالے" (۱۹)

لیکن یہ واضح رہے کہ مہابت خاں، حضرت مجدد کے خاص معتقدوں میں تھا، ڈاکٹر ترپاٹھی لکھتے ہیں:-

"خان خانان، سید صدر جہاں، خان جہاں، اور مہابت خاں آپ کے مداحین میں بیان کیے جاتے ہیں"۔ (۲۰)

اس لیے ممکن ہے مہابت خاں کی سرکشی اور بغاوت کے اسباب میں ایک یہ بھی سبب ہو اور وہ جہاں گیر سے گستاخی کا بدلہ لینا چاہتا ہو۔ مکتوبات امام ربانی سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ ارا کین سلطنت میں جہاں گیر کی گستاخی سے شورش پیدا ہو گئی تھی (۲۱)

زمانہ اسیری کی مراسلت

حضرت مجدد قلعہ گوالیار میں تقریباً ایک سال قید رہے (۱۰۲۸ھ تا ۱۰۲۹ھ) اس عرصہ میں جو مکتوبات اہل خانہ اور احباب و اقربا کے نام ارسال فرماتے ہیں، وہ بڑے سبق آموز ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ آپ کی عظیم شخصیت کے اصلی جوہر واقعہ اسیری کے بعد ہی کھلے ہیں، بقول ڈاکٹر اقبال:-

ہے اسیری اعتبار افزا جو ہو فطرت بلند
قطرہ نیساں ہے زندان صدف سے ارجمند

یہاں چند مکاتیب کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں:-

شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ (۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۲ء) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"مخدوم و مکرم مصیبتوں کے آنے پر ہر چند کہ تکلیف

برداشت کرنی پڑتی ہے، لیکن اسی کے ساتھ ساتھ انعام واکرام کی امید بھی لگی رہتی ہے، حزن و اندوہ میں یہ بڑا ہی اچھا سرمایہ اور خوان الم و مصیبت کی من بھاتی نعمت ہے، ان شکر پاروں کے اوپر کڑوی دوا کا ہلکا سا غلاف چڑھا دیا گیا ہے، اور اس بہانے سے بظاہر مصیبت دکھائی گئی ہے، مگر نیک بخت تو مٹھاس پر نظر رکھتے ہوئے تلخی کو مٹھاس کی طرح کھا جاتے ہیں، اور حرارت کو صفرائے شیریں کے برعکس پاتے ہیں، شیریں کیوں نہ پائیں کیونکہ محبوب کے افعال تو سب ہی میٹھے ہیں، جو ماسوا اللہ کی محبت میں گرفتار ہو اس کو کڑوی لگتے ہیں، دولت مند تو محبوب کی دی ہوئی مصیبت میں اس قدر لذت وحلاوت پاتے ہیں کہ انعام میں بھی متصور نہیں، ہر چند کہ دونوں محبوب ہی کی جانب سے ہیں لیکن مصیبت میں محب کے نفس کو دخل نہیں اور انعام مراد نفس پر مبنی ہے ع

هنيا لارباب النعيم نعيمها

اللهم لاتحرمنا اجرہم ولا تفتنا بعدهم، آپ کا وجود شریف اسلام کی اس غربت میں مسلمانوں کے لیے مغتنم ہے، سلمکم اللہ سبحانہ وابقاکم والسلام (۲۲)

فرزندان گرامی، خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد سعید علیہما الرحمہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"فرزندان گرامی مصیبت کا وقت اگرچہ تلخ وبے مزہ ہے لیکن اس میں فرصت میسر آجائے تو غنیمت ہے، اس وقت چونکہ تم

کو فرصت میسر ہے، خدا کا شکر بجالا کر اپنے کام میں مشغول ہو جاؤ اور ایک لمحہ بھی فارغ نہ بیٹھو، تین باتوں میں سے ایک بات کی پابندی ضرور رہنی چاہئے، تلاوت قرآن پاک، طول قرات کے ساتھ نماز اور کلمہ لا الہ الا اللہ کی تکرار کلمہ لا کے ساتھ نفس کے خود ساختہ خداؤں کی نفی کریں، اپنی مرادوں اور مقصدوں کی بھی نفی کریں، اپنی مرادیں چاہنا خدائی کا دعویٰ کرنا ہے، اس لیے چاہیے کہ سینہ میں کسی مراد کی گنجایش ہی نہ رہے، اور ہوس کا خیال تک نہ آنے پائے، تا کہ حقیقت حیات متحقق ہو ------- ہوائے نفسانیہ کو جو جھوٹے خدا ہیں "لا" کے تحت لائیں تا کہ ان سب کی نفی ہو جائے اور تمہارے سینہ میں کوئی مراد اور مقصد باقی نہ رہے، حتیٰ کہ میری رہائی کی آرزو بھی جو اس وقت تمھاری سب سے اہم آرزوؤں میں ہے، نہ ہونی چاہئیے، تقدیر اور اس تعالیٰ کے فعل و مشیت پر راضی رہیں ------- جہاں بیٹھے ہوئے ہیں اسی کو اپنا وطن سمجھیں یہ چند روزہ زندگی جہاں بھی گزرے اللہ کی یاد میں گزرنی چاہیے" (۲۳)

ایک مکتوب میں اپنے خلیفہ شیخ بدیع الدین کو تحریر فرماتے ہیں:-

"برسوں تربیت جمالی کے ذریعہ منزلیں طے کرائی جارہی تھیں، اب تربیت جلالی کے ذریعہ مراحل طے کیے جارہے ہیں، اس لیے مقام صبر، بلکہ مقام رضا پر قائم رہیں، اور جمال وجلال کو ایک ہی جانیں، آپ نے لکھا تھا کہ ظہور فتنے کے وقت سے "ذوق و حال جاتا رہا" ذوق وحال تو در حقیقت گناہ شمار ہونے

چاہئیں، کیونکہ جفائے محبوب اس کی وفا سے زیادہ لذت بخش ہوتی ہے یہ کیا مصیبت آئی کہ تم بھی عام لوگوں کی طرح باتیں کرنے لگے، اور محبت ذاتیہ سے دور نکل گئے؟" (۲۴)

ایک اور مکتوب میں مرزا مظفر خاں کو تحریر فرماتے ہیں:-

"حقیقت تو یہ ہے کہ جو چیز بھی محبوب حقیقی کی طرف سے پہنچے اس کو کشادہ پیشانی اور فراخ حوصلگی سے احسان مندی کے ساتھ قبول کرنا چاہیئے، بلکہ اس سے لطف اٹھانا چاہیے، رسوائی اور بے ننگی جو مراد محبوب ہے، محبوب کے نزدیک نام و ننگ سے بہتر ہے، یہ اس کے دل کی خواہش ہے، اگر یہ بات محب میں پیدا نہ ہو تو اس کی محبت ناقص ہے، بلکہ وہ دعویٰ محبت میں جھوٹا ہے"

گر طمع خواہد زمن سلطان دین

خاک بر فرق قناعت بعد ازیں (۲۵)

اپنے ایک دوسرے خلیفہ خواجہ میر محمد نعمان علیہ الرحمہ (م۔ ۱۰۵۸ھ/ ۱۶۴۸ء) کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:-

"عاشق جس طرح محبوب کے انعام میں مزہ پاتا ہے، اسی طرح اس کے ایلام (آزمائش) میں بھی اس کو لطف آتا ہے، بلکہ ایلام میں اور زیادہ مزہ آتا ہے، کیونکہ اس میں حظ نفس کا شائبہ نہیں ہوتا اور اسکی آرزو کو بھی دخل نہیں ہوتا، جب حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ، جو جمیل مطلق ہے، اس شخص کو آزار پہنچانا چاہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ بھی اس شخص کی نظر میں جمیل ہے،

بلکہ اس میں اس کو لطف آتا ہے، چونکہ اس جماعت کی مراد اللہ تعالیٰ کی مراد کے عین مطابق ہے اور یہ مراد کے ظاہر ہونے کا دریچہ ہے، اس لیے یقیناً ان کی مراد بھی نظر کو بھلی اور اچھی معلوم ہوتی ہے، اور اس میں لطف آتا ہے اور اس شخص کا عمل جو محبوب کا آئینہ دار ہو، محبوب کے عمل کی طرح پیارا لگتا ہے، اور اس کا کرنے والا اسی نظر کی وجہ سے عاشق کی نظر میں محبوب ہے، عجیب بات ہے کہ اس کی جانب سے جتنی جفائیں ہوتی ہیں، عاشق کی نظر میں وہ اتنا ہی زیادہ پسندیدہ ہوتا جاتا ہے، کیونکہ اس صورت میں وہ غضب محبوب کی پوری پوری نمایندگی کر رہا ہے، اس راہ کے دیوانوں کا معاملہ نرالا ہے، پس اس شخص کی برائی چاہنا اور اس سے بددل ہونا، محبوب کی محبت کے منافی ہے کیونکہ وہ شخص تو فعل محبوب کے آئینہ کے سوا کچھ نہیں ہے، اس لیے جو لوگ آزار پہنچانے کے درپے ہیں وہ دوسری مخلوق سے زیادہ نگاہوں کو بھلے معلوم ہوتے ہیں، اس لیے دوستوں سے کہدیں کہ وہ تنگیٔ دل کو دور کریں اور جو لوگ یا جماعت آزار کے درپے ہے اس سے برا سلوک نہ کریں، بلکہ ان کے فعل سے لطف اٹھائیں" (۲۶)

ان مکاتیب مقدسہ کے آئینہ میں حضرت مجدد کے تابناک کردار کو بخوبی دیکھا جا سکتا ہے خود باختگی اور خود سپردگی کا یہ عالم ہے کہ محبوب کی جفاؤں میں بھی لذت حاصل ہو رہی ہے ع

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

ذرا "عشق خانہ ویراں ساز" کی بلند ہمتی تو دیکھئے کہ دشمن کی خنجر آزمائی کے بعد
بھی اس کے دست و بازو کو دعائیں دے رہے ہیں ع

آں کشتہ، ہیچ حق محبت ادا نہ کرد
کز بہر دست و بازوئے قاتل دعا نہ کرد

رہائی

طلوع ہے صفت آفتاب اس کا غروب
یگانہ اور مثال زمانہ گوناگوں

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"جب حضرت مجدد قدس سرہ کو قید کیا گیا تو آپ تین برس قید خانہ میں رہے، بعد سلطان نے دو شرطوں پر رہا کیا، ایک شرط تو یہ تھی کے آپ لشکر کے ساتھ رہیں، اور دوسری شرط یہ تھی کہ جہاں بادشاہ جائے وہاں اس کے ساتھ ساتھ رہیں، چنانچہ شیخ قدس سرہ نے لشکر میں قیام فرمایا" (۲۷)

نواب صدیق حسن خاں صاحب بھی یہی لکھتے ہیں:۔

"جب آپ کو قید کیا گیا تو آپ تین سال قید خانہ میں رہے، پھر رہا ہوئے اور لشکر کے ساتھ رہے اور اسی کے ساتھ پھرتے رہے" (۲۸)

مولانا رحمان علی تحریر فرماتے ہیں:۔

"المختصر شیخ تین سال تک قید میں رہے، اس کے بعد بادشاہ نے

اس شرط پر آپ کو رہا کیا کہ آپ لشکر شاہی کے ساتھ رہ کر
گشت کریں گے، چنانچہ شیخ چند سال تک لشکر سلطانی میں
رہے"(۲۹)

لیکن جہانگیر کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد صرف ایک سال قید میں رہے، پندرہویں جلوس شاہی کے حالات کے ذیل میں جہانگیر لکھتا ہے:۔

"میں نے شیخ احمد سرہندی کو جو زہد فروشی اور بیہودہ گوئی کے سبب کچھ عرصہ سے قید کاٹ رہا تھا، طلب کیا تھا اور حاضر ہونے پر اسے خلعت اور ہزار روپے عنایت کر کے آزاد کر دیا، یہ بھی اختیار دے دیا کہ چاہے سرہند واپس چلا جائے، چاہے میرے حضور میں رہے، اس نے یہ منصفانہ بات کہی کہ یہ سزا حقیقت میں ایک طرح کی ہدایت تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی اور وہ حاضر خدمت رہنے میں ہی بھلائی دیکھتا ہے"(۳۰)

جہانگیر نے حضرت مجدد کی قید کا واقعہ چودہویں سالی جلوس شاہی (۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۹ء) کے حالات کے ذیل لکھا تھا اور پندرہویں سال جلوس شاہی (۱۰۲۹ھ / ۱۶۲۰ء) کے ذیل میں رہائی کا واقعہ لکھا ہے، جہانگیر کے بیان کے مطابق حضرت مجدد صرف ایک سال قید رہے، اس لیے مولانا غلام علی آزاد بلگرامی، نواب صدیق حسن خاں اور مولانا رحمان علی کا یہ خیال صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ آپ تین سال قید خانے میں رہے۔

سی اے اسٹوری نے صحیح لکھا ہے:۔

"۱۰۲۸ھ / ۱۶۱۹ء میں جہانگیر کے حکم سے آپ کو گوالیار میں قید کر دیا گیا لیکن دوسرے ہی سال ان کو معاف کر کے ایک

خلعت اور دس ہزار روپے عنایت کیے اور رہا کر دیا گیا" (۴۱)

ڈاکٹر عنایت اللہ نے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں حضرت مجدد کے حالات کے ذیل میں زمانہ اسیری کی تحدید نہیں کی ہے اس لیے صحیح یہی ہے کہ آپ ایک سال قید رہے

ابو الفیض کمال الدین محمد احسان، محمد احسان اللہ عباسی، ڈاکٹر برہان احمد فاروقی وغیرہ نے لکھا ہے کہ جب جہانگیر نے حضرت مجدد کو دربار میں طلب کیا تو آپ نے یہ شرائط پیش کیں:-

(۱) سجدہ۔ تعظیمی موقوف کیا جائے

(۲) مسجدیں جو ویران ہو چکی ہیں ان کو آباد کیا جائے

(۳) گاؤ کشی کی ممانعت کے احکام منسوخ کیے جائیں

(۴) قاضی و محتسب مقرر کیے جائیں

(۵) ذمیوں سے جزیہ لیا جائے

(۶) احکام شریعت کی ترویج اور بدعات کا انسداد کیا جائے

(۷) تمام سیاسی قیدیوں کو آزاد کیا جائے۔

مسٹر جان نے لکھا ہے:-

"شیخ احمد تین سال تک قید خانہ میں رہے، اس کے بعد جہانگیر کو آپ کی بے گناہی کا یقین ہو گیا، چنانچہ اس نے نہ صرف آپ کو رہا کیا بلکہ آپ کی متصوفانہ زندگی سے متاثر ہوا اور حقیقت میں آپ کا مرید ہو گیا، اور بادشاہ نے اپنے شیخ طریقت کی نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے امور سلطنت میں بہت سی تبدیلیاں کیں۔" (۴۲)

نہ معلوم ان حضرات کا ماخذ کیا ہے، یہ باتیں نہ تو تزک جہانگیری کے مطالعہ سے معلوم ہوتی ہیں، اور نہ حضرت مجدد کے خلفاء شیخ محمد ہاشم کشمی اور شیخ بدرالدین نے اپنی تصانیف میں ان کا ذکر کیا ہے، بلکہ خواجہ محمد ہاشم کشمی کے بیان سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رہائی کے بعد شیخ کو لشکر شاہی میں مجبوراً رہنا پڑا، چنانچہ زبدۃ المقامات (۱۰۳۷ھ) میں خواجہ محمد ہاشم کشمی تحریر فرماتے ہیں:۔

"بادشاہ کی مزاحمت کی وجہ سے دو تین سال تک لشکر کے ساتھ بعض شہروں میں آپ کا جانا ہوا، اس میں بہت سی مصلحتیں تھیں، وہ یہ کہ شہر والے بھی آپ کی صحبت سے مستفیض اور نظر کرم سے بہرہ ور ہوں" (۴۴)

حضرت مجدد نے جو مکتوب لشکر شاہی سے فرزندان گرامی خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد سعید علیہما الرحمہ کو بھیجا تھا، اس سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے کہ لشکر شاہی میں آپ کا قیام بامر مجبوری تھا چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"فرزندان گرامی مطمئن رہیں، یہاں لوگ ہماری تکلیف کا خیال رکھتے ہیں، اور تنگی سے نجات کے لیے کوشاں ہیں، ان کو نہیں معلوم کہ نامرادی، بے اختیاری اور ناکامی میں کس بلا کا حسن و جمال ہے، اس نعمت کے برابر اور کونسی نعمت ہے کہ اس شخص کو اپنے اختیار سے بے اختیار کر کے، اپنے اختیار سے اس کو زندگی بخشیں، اور اس کے اختیاری امور کو اس بے اختیاری کے تابع کر کے اس کو اس کے دائرہ اختیار سے باہر لے آئیں، اور ایسا کر دیں جس طرح مردہ بدست زندہ ہوتا ہے، قید کے زمانہ میں جب کبھی میں اپنی ناکامی اور بے اختیاری کا مطالعہ

کرتا تھا تو بڑا لطف آتا تھا اور اس سے خوب لطف اندوز ہوتا تھا،
ہاں ہاں مطمئن لوگ مصیبت زدوں کے ذوق کو کیا جانیں؟ اور
اس کی مصیبت میں جو حسن و جمال ہے اس کو کیا سمجھیں؟ بچوں کو
مٹھائی میں مزہ آتا ہے لیکن جس کو تلخی میں مٹھائی کا مزہ آتا ہو
وہ تو مٹھائی کو ایک جو کے بدلے بھی نہیں خریدے ؎

مرغ آتش خوارہ کے لذت شناسد دانہ را

والسلام علی من اتبع الہدیٰ (۳۴)

اسی طرح خواجہ محمد ہاشم کشمی نے ۱۰۳۲ھ کا (جس زمانہ میں حضرت مجدد اجمیر شریف میں لشکر شاہی کے ساتھ مقیم تھے)، ایک واقعہ لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ایک دن حضرت مجدد، خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ (م۔ ۶۳۳ھ / ۱۲۳۴ء) کے دربار میں حاضر ہوئے اور دیر تک مراقب رہے، اس سے فراغت کے بعد مجھ سے فرمایا:۔

"مارا فرمودند در خلاصی خود ازیں عسکر سعی نہ کنند و برضائے او تعالیٰ وا گزارید" (۳۵)

(ترجمہ) مجھ سے فرمایا اس لشکر سے رہائی کی کوشش نہ کریں اور معاملہ اللہ کی رضا پر چھوڑ دیں۔

مذکورہ بالا حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مجدد ۱۰۲۸ھ سے ۱۰۲۹ھ تک قلعہ گوالیار میں قید رہے، ۱۰۲۹ھ میں رہا ہوتے ۱۰۳۲ھ تک لشکر شاہی میں رہے اور جہانگیر آپ کی قدر کرتا تھا، اور گاہے گاہے عنایات خسروانہ سے نوازتا رہتا تھا، رہائی کے وقت ۱۰۲۹ھ میں تو اس نے ایک ہزار روپے اور خلعت پیش کی تھی، پھر ۱۰۳۲ھ میں دو ہزار روپے عنایت کیے، اس کا ذکر سی اے اسٹوری نے بھی کیا ہے،

وہ لکھتا ہے:۔

"۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۳۔ میں جہانگیر کی طرف سے آپ کو
۲۰۰۰روپے پیش کیے گئے" (۲۰)

خود جہانگیر نے بھی اپنی سال گرہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ شیخ احمد سرہندی کو دو ہزار روپے عنایت کیے گئے، لکھتا ہے:۔

"بدستور ہر سال خود را بہ طلا واجناس وزن فرمودہ در وجہ مستحقان
مقرر فرمودم ازاں جملہ شیخ احمد سرہندی را دو ہزار روپیہ عنایت
شد" (۲۰۔۲)

رہائی کے بعد جب حضرت مجدد، جہانگیر کے ساتھ رہے تو آپ کو اس کی اصلاح حال کا موقع ملا، مکاتیب سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس حکمت و موعظت کے ساتھ آپ نے جہانگیر کو اسلام کی طرف راغب کیا اور ان اثرات کو زائل کرنے کی پوری کوشش کی جو اکبر کی ناعاقبت اندیشی سے پیدا ہو گئے تھے، چنانچہ جو مکتوب آپ نے فرزندان گرامی خواجہ محمد معصوم اور خواجہ محمد سعید علیہما الرحمہ کے نام بھیجا تھا، اس میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہاں کے حالات بہت اچھے اور شکر کے قابل ہیں، عجیب و
غریب صحبتیں ہو رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ساری
گفتگوؤں میں دینی امور اور اسلامی اصول کے متعلق بال برابر کسی
قسم کی نرمی یا سستی کا اظہار نہیں ہوا، وہی باتیں جو خاص
مجلسوں اور خلوت میں بیان کی جاتیں تھیں، ان معرکوں میں بھی
حق تعالیٰ کی توفیق سے بیان ہو رہی ہیں، اگر میں ایک مجلس کا بھی
حال لکھوں تو اس کے لیے ایک دفتر چاہیے خصوصاً آج کی رات

جو رمضان کی ١٧ تاریخ ہے پیغمبروں (علیہم الصلوٰۃ وا
التسلیمات) کی بعثت "عقل" کی بیچارگی، آخرت، عذاب و
ثواب پر ایمان لانے، حق تعالیٰ کے دیدار اور خاتم الرسل (صلی
اللہ علیہ وسلم) کی ختم نبوت، اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے
راشدین کی پیروی (رضی اللہ عنہم) اور تراویح کے مسنون
ہونے، تناسخ کے باطل ہونے، جن اور جنیوں کے ذکر، ان کے
عذاب و ثواب کے مسئلے، اور اسی قسم کی بہت سی باتوں کا ذکر
رہا (بادشاہ) نے پوری توجہ سے انکو سنا، اسی سلسلہ میں اقطاب
وابدال واوتاد اور ان کی خصوصیتوں کا بھی ذکر آیا، خداوند تعالیٰ
کا شکر ہے کہ (بادشاہ) ایک حال پر قائم رہے، اس میں کسی قسم
کا تغیر (یعنی جو برہمی پر دلالت کرے) ظاہر نہیں ہوا، شاید ان
واقعات اور ملاقاتوں میں حق تعالیٰ کی مصلحتیں اور اسرار پوشیدہ
ہوں، شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے اس بات کی ہدایت
فرمائی، ہم اس راہ کو نہیں پا سکتے اگر حق تعالیٰ راہ نہ دکھاتے، بلا
شبہ ہمارے رب کے پیغمبر حق کے ساتھ آتے" (٢٧)

جہانگیر کے ساتھ حضرت مجدد کی اکثر صحبتیں رہا کرتی تھیں، ایک اور مکتوب میں اس صحبت کی طرف اشارہ کیا ہے:۔

"فرزندان گرامی کا صحیفہ شریفہ موصول ہوا، خدا کا شکر ہے کہ
صحت وعافیت ہے، آج ہی جو نئی بات رونما ہوئی اس کو لکھتا
ہوں، غور سے سنیں، آج رات جو ہفتہ کی رات تھی، مجلس شاہی میں
گیا تھا، ایک پہر رات گزرنے کے بعد وہاں سے واپس آیا اور حافظ

سے تین پارے سنے، دوپہر رات گزرنے کے بعد سویا"۔ (۴۸)

مندرجہ بالہ اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد مجلس شاہی میں رات گئے تک رہتے، اور پہلے مکتوب سے یہ اندازہ بھی ہوتا ہے کہ آپ نے سب سے پہلے انہی مسائل کی طرف توجہ دی دور اکبری میں جن سے غفلت گمراہی اور تباہی کا باعث ہوتی تھی، جہانگیر پر ان صحبتوں کا کافی اثر ہوا، اس کی بھی اصلاح ہوئی اور اعیان مملکت بھی سدھرتے گئے، چنانچہ جس سال آپ رہا ہوتے ہیں اسی سال خان جہاں کے بیٹے نے شراب ترک کر دی، خان جہاں حضرت مجدد کے معتقدین میں تھا، جہانگیر نے حیرت و استعجاب کے ساتھ اس ترک مے نوشی کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتا ہے:۔

"انہی دنوں (۱۰۲۹ھ / ۱۶۲۰ء) خاں جہاں کے بیٹے کو اللہ تعالیٰ نے شراب نوشی ترک کرنے کی حیرت انگیز توفیق دی، وہ کثرت مے خوری کی وجہ سے بہت کمزور ہو گیا تھا، اس مرد افگن نشے کی کثرت نے اسکا یہ حال کر دیا تھا کہ اس کی زندگی ختم ہونے کی قریب آ گئی تھی لیکن اس نے توفیق الٰہی سے یک دم اپنے کو سنبھال لیا اور عہد کر لیا کہ آئندہ کبھی نہیں پیئے گا، اگر چہ میں نے اسے بہت نصیحت کی کہ اکبارگی چھوڑ دینا مناسب نہیں، طبی نقطہ نگاہ سے رفتہ رفتہ ترک کرنا چاہیے لیکن وہ نہ مانا اور مردانہ وار اس مرحلے سے گزر گیا"۔ (۴۹)

اگرچہ جہانگیر نے یہ نہیں بتایا کہ اس عالی حوصلہ فرزند نے کن اثرات کے تحت مے نوشی ترک کی اور اس شان کے ساتھ کہ بادشاہ کی نصیحت کے باوجود شراب سے قطعاً بے تعلق ہو گیا، لیکن کوئی وجہ نہیں کہ یہ انقلاب حضرت مجدد کی

صحبت کیمیا اثر کا نتیجہ نہ سمجھا جاتے، جب کہ یہ معلوم ہے کہ اس زمانہ میں حضرت مجدد دربار میں موجود تھے۔

فتح کانگڑا کے موقع پر جو کچھ ہوا اس سے بھی جہانگیر پر حضرت مجدد کے اثرات کا پتا چلتا ہے، سب سے پہلے کانگڑا کی مہم پر شیخ فرید بخاری (م۔ ۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء) کو بھیجا گیا تھا، وہ حضرت مجدد کے خاص معتقدوں میں تھے اور اکبر و جہانگیر کے دربار میں ان کا بڑا وقیع منصب تھا، دونوں بادشاہ، دہلی میں ان کے مکان پر قیام کیا کرتے تھے، مگر یہ مہم سر نہ ہوئی تھی کہ ان کا انتقال ہو گیا، ان کے بعد جوہر مل کو یہ خدمت سپرد ہوئی، جس نے سرکشی اختیار کی، بالآخر شہزادہ خرم (شاہ جہاں) کو اس مہم پر روانہ کیا گیا، اس نے ۱۶ شوال المکرم ۱۰۲۹ھ کو قلعہ کانگڑا کا محاصرہ کیا اور یوم چہار شنبہ یکم محرم الحرام کو ۱۰۳۰ھ میں قلعہ فتح ہو گیا، یہ اتنا مضبوط قلعہ تھا کہ بقول جہانگیر کوئی مسلمان بادشاہ یا حاکم اسے فتح نہیں کر سکا" اس لیے اس فتح پر جہانگیر فخر و مباہات کے ساتھ لکھتا ہے:-

> "اس طرح سے جمعرات یکم محرم الحرام ۱۰۳۰ھ کو یہ فتح حاصل ہوئی، جو کسی سطوت و شوکت رکھنے والے بادشاہ کو نصیب نہیں ہوئی تھی، اور جسے ظاہری اسباب پر نظر رکھنے والے کم فہم لوگ بہت مشکل سمجھتے تھے، یہ اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے جو مجھ پر ہوا" (۴۰)

اس اقتباس کے اسلوب نگارش سے بھی جہانگیر کی اسلامی ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے، فتح کے بعد نقشبندی سلسلے کے عبد العزیز نامی ایک شخص کو قلعہ کانگڑا کے نواحی علاقوں کا فوجدار مقرر کیا گیا جو غالباً حضرت مجدد سے بیعت تھے۔

جہانگیر نے جلوس شاہی کے سولہویں سال ۱۰۳۰ھ میں قلعہ کانگڑا کا معائنہ کیا

حضرت مجدد کے صاحب زادے خواجہ محمد سعید کے حوالے سے مجمع الاولیا۔ (قلمی، انڈیا آفس لائبریری، لندن، ورق نمبر ۴۴۳) میں یہ بات لکھی ہے کہ قلعہ کانگڑا جاتے وقت جہاں گیر نے حضرت مجدد سے ساتھ چلنے کی درخواست کی اور یہ وعدہ کیا کہ قلع میں گائے ذبح کریں گے، بت گرائیں گئے اور مسجد بنائیں گئے حضرت مجدد کے علاوہ اور علما۔ و فضلا بھی بادشاہ کے ساتھ تھے، جہانگیر قلعہ کا ذکر کرتے ہوتے لکھتا ہے:۔

"۲۴ ماہ آبان کو قلعہ کی سیر کی طرف متوجہ ہوتے وقت قاضی اور میر عدل کو جو میرے ہمرکاب تھے، حکم دیا کہ قلعہ میں داخل ہونے پر جن اسلامی اور شرعی امور کو بجا لانا ضروری سمجھیں بجالائیں، قلعہ تک پہنچنے کے لیے ایک کوس پہاڑ کی چڑھائی طے کرنے کے بعد جب اندر داخل ہوا تو بتوفیق ایزدی اذان دلوا کر نماز اور خطبہ پڑھوایا اور اپنے سامنے گائے ذبح کرائی، ان امور میں سے کسی ایک پر بھی آج تک اس قلعے میں عمل نہیں ہوا تھا، میں نے اس توفیق ایزدی کے لیے جو کسی بھی بادشاہ کو اس سے قبل نصیب نہیں ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ شکرانہ بجالا کر اس قلعے کے اندر ایک عالیشان مسجد تعمیر کیے جانے کا حکم دیا" (۴۱)

بے بدل خان نے تعمیر مسجد اور قلعہ کی فتح پر قطعات تاریخ کہے، مسجد کے سنگ بنیاد کی تقریب کا مادہ تاریخ یہ ہے:۔

ہاتف از غیب بگفت از پے تاریخ بناش

مسجد شاہ جہانگیر بود نورانی

۱۰۳۰ھ

فتح کانگڑا کا مادہ تاریخ یہ ہے:۔

بہ شمشیر غزا ایں قلعہ را بکشود تاریخش
خرد گفتا کشود ایں قلعہ اقبال جہانگیری
۱۰۳۰ھ

قلعہ کی فتح کے سلسلے میں جو تقریبات ہوئیں ان میں حضرت مجدد کے اثرات صاف جھلک رہے ہیں اکبر کے دور میں گائے ذبح کرنے پر سختی کے ساتھ پابندی تھی، جہانگیر نے گائے ذبح کرائی اکبر کے عہد میں مسجدیں ویران ہو رہی تھیں، جہانگیر نے عالی شان مسجد تعمیر کرائی۔

قلعہ کانگڑا کی سیر سے فارغ ہو کر جہانگیر درگا مندر کی طرف متوجہ ہوا، اس مندر پر جو تبصرہ کیا ہے اس سے بھی جہانگیر کی اسلامی ذہنیت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ لکھتا ہے:۔

"قلعے کی سیر سے فارغ ہو کر درگا مندر کی سیر کی طرف متوجہ ہوا جو بھون کے نام سے مشہور ہے، یہاں ایک دنیا کو گمراہی کے بیابان میں سر پٹکتے دیکھا، ہندوؤں سے قطع نظر کیونکہ بت پرستی ان کا مذہب ہے، مسلمان بھی گروہ در گروہ دور دراز کی مسافت طے کر کے یہاں آتے ہیں، اور نذر چڑھا کر کالے پتھر کی پرستش کرتے ہیں، پہاڑ کے دامن میں غالباً گندھک کی کان ہے جس میں حرارت کی وجہ سے آگ کا شعلہ نکلتا رہتا ہے، جسے لوگ جوالا مکھی کہتے ہیں، اور اس کو بت کے معجزات میں شمار کرتے ہیں، ہندو اس نظریہ پر فی الواقع یقین رکھتے ہوئے عوام کو گمراہ کرتے ہیں" (۴۲)

ایک وہ زمانہ بھی تھا جبکہ اکبری دور میں حضرت مجدد یادلِ پر سوز فرمارہے تھے:۔

"کفار ہند بے تحاشا مسجدوں کو گرا کر وہاں معبد و مندر تعمیر کر رہے ہیں، چنانچہ تھانیسر میں حوض کر کھیت کے درمیان ایک مسجد اور ایک بزرگ کا مقبرہ تھا، اس کو گرا کر اس جگہ بڑا بھاری مندر بنایا ہے" (۴۳)

ان واقعات سے جہانگیر کی ذہنی تبدیلی کا اندازہ ہوتا ہے، غرض حضرت مجدد کی صحبت کیمیا اثر نے جہانگیر میں ایک انقلاب پیدا کر دیا، اور پھر اس انقلاب نے تاریخ ہند میں دوسرا انقلاب پیدا کر دیا ع

یہ اثر رکھتی ہے خاکستر پر دانہ دل

جہانگیر اور حضرت مجدد کے تعلقات پر جدید سوانح نگاروں نے جو کچھ لکھا ہے، اس میں بعض باتیں حقیقت پر مبنی نہیں ہیں، جن کی اصلاح ضروری ہے، مثلاً مولانا محمد میاں نے تحریر کیا ہے:۔

"بہر حال ان مجالس خصوصی اور توجہات کی برکت تھی کہ بادشاہ نے آپ کے دست حق پرست پر توبہ کی، شراب و کباب اور دوسری منہیات سے ایسی کامل بے تعلقی اختیار کی کہ باید و شاید" (۴۴)

تزک جہانگیری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر آخر وقت تک شراب پیتا رہا، آخر زمانہ میں جب وہ کشمیر میں بستر علالت پر دراز تھا، اس کے متعلق مرزا ہادی بیگ لکھتا ہے:۔

"ان کی بھوک جاتی رہی اور طبیعت افیون سے بھی متنفر ہو گئی، جس کے وہ چالیس سال سے عادی تھے، شراب انگوری کے چند

پیالوں کے سوا کھانے پینے کی تمام چیزیں چھوٹ گئیں " (۴۵)

اکثر سوانح نگاروں نے اسی قسم کی غلطیاں کی ہیں، اور غایت خوش عقیدگی میں واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

اسی قسم کا یہ بیان بھی ہے جو جہانگیر کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

"میں نے کوئی کام ایسا نہیں کیا جس سے نجات کی امید ہو، صرف میرے پاس ایک دستاویز ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر دوں گا، وہ دستاویز یہ ہے کہ مجھ سے ایک روز شیخ احمد سرہندی نے فرمایا تھا کے اگر اللہ تعالیٰ ہمیں جنت میں لے جائے گا تو تیرے بغیر نہ جائیں گے " (۴۶)

مگر خواجہ ہاشم کشمی اور شیخ بدرالدین نے اس کا مطلق ذکر نہیں کیا، معلوم نہیں فاضل مصنّف کا ماخذ کیا ہے، اسی طرح صاحب روضۃ القیومیہ نے بھی بہت سی مبالغہ آمیز باتوں کا ذکر کیا ہے موجودہ تذکرہ نگاروں نے زیادہ تر انہی سے استفادہ کیا ہے۔

حضرت مجدد اس مقام پر تھے جہاں انسان مدح و ذم سے بے نیاز ہو جایا کرتا ہے، وہ ذات وحدہٗ لاشریک کے سوا سارے عالم سے بے نیاز تھے، تاریخ شاہد ہے کہ حضرت مجدد کی عظمت دکھانے کے لیے کسی بادشاہ کے اظہار عقیدت کی ضرورت نہیں، ان کی عظمت کا راز تعلق مع اللہ پر ہے، یہ وہ ہستی ہے جس نے اپنی مرضیات کو محبوب کی مرضیات میں گم کر دیا تھا، آپ اللہ کی مراد بن کر سارے عالم کے ہادی بن گئے تھے اور تاریخ ہند شاہد ہے کہ کچھ ہی عرصہ بعد آپ ہدایت کی مسند عالی پر بیٹھ کر اعلان فرما رہے تھے

جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا○

حواشی باب چہارم

۱۔ شاہ محمد ہدایت، درلاثانی، حصہ سوم، مطبوعہ کانپور، ص ۱۴-۴۰

۲۔ برہان الدین فاروقی، مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید، مطبوعہ لاہور، ۱۹۴۷ء، ص ۳۶

۳۔ Dr. Inayatullah: The Encyclopaedia of Islam, Vol.I, p. 297-8)

۴۔ حضرت مجدد، مکتوبات شریف، مکتوب نمبر ۱۱، ص ۳-۲۲

۵۔ جہانگیر، تزک جہانگیری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ۴-۵۶۳

۶۔ غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، مؤلفہ ۱۱۷۷ھ ۴-۱۷۶۳، مطبوعہ ۱۳۰۳ھ، ص ۴۹

۷۔ وکیل احمد، الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی، ص ۲-۱۰۱، مطبوعہ دہلی، ۱۳۱۲ھ

۸۔ وکیل احمد، انوار احمدیہ، مطبوعہ دہلی، ۱۳۰۹ھ، ص ۱۲-۱۱

۹۔ نواب صدیق حسن خاں، ابجد العلوم، مطبوعہ بھوپال، ۱۲۹۵ھ، ج ۳، ص ۸۹۹

۱۰۔ داراشکوہ، سفینۃ الاولیاء، ترجمہ محمد وارث کامل مرحوم، مطبوعہ لاہور، ص ۲۲۳

۱۱۔ T.W.Arnold: The Encyclopaedia of Religions and Ethics, By James. Histing, 1956, p.748

۱۲۔ T.W.Arnold: The Preaching of Islam, 1956, P.412,

۱۳۔ C. A Storey: The Persian Literature Vol.I, Part II, London, 1953, P.988

۱۴۔ مفتی غلام سرور لاہوری، خزینۃ الاصفیاء، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۸۷۳ء

۱۵۔ شیخ بدرالدین، حضرات القدس، مطبوعہ لاہور، ۱۳۴۱ھ، ص ۳۶

۱۶۔ کمال الدین محمد احسان، روضۃ القیومیہ، مطبوعہ لاہور، ص ۱۸۹

۱۷۔ Dr.Abdul Wahid: Iqbal His Art and Thought, 1948,

p.106

۱۸۔ Olaf Caroe: The Pathans, 1958, P.226, New York & S.R.Sharma: Mughal Empire in India, Part II. 1947.

۱۹۔ مرزاہادی بیگ، تزک جہانگیری (تکملہ)، مطبوعہ لاہور، ص ۸۱۸۔۱۹۶۰ء

۲۰۔ Dr. R.P.Tripathy: Rise and fall of the Mughal Empire, 1956. p.355

۲۱۔ مکتوبات شریف، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۵

۲۲۔ محمد منظور نعمانی، تذکرہ مجدد الف ثانی مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۵۹ء، ص ۲۶۹۔۲۷۰، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۲۹

۲۳۔ مکتوبات شریف، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۲

۲۴۔ مکتوبات شریف، دفتر سوم، حصہ ہشتم

۲۵۔ مکتوبات شریف، دفتر دوم، مکتوب نمبر ۷۵

۲۶۔ مکتوبات شریف، دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۵

۲۷۔ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، ص ۵۲

۲۸۔ ابجد العلوم، مطبوعہ بھوپال، ۱۲۹۵ھ، ص ۸۹۹

۲۹۔ تذکرہ علمائے ہند، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۱۴ء، ص ۱۲

۳۰۔ تزک جہانگیری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ء

۳۱۔ The Persian Literature, P.90

۳۲۔ John. A Subhan: Sufism its Saints and Shrines, Lucknow, 1938, P.282

۳۳۔ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ، ص ۱۵۹

۳۴۔ مکتوب شریف، دفتر سوم حصہ نہم، مکتوب نمبر ۸۲

۳۵۔ زبدۃ المقامات، ص ۲۸۳

۳۶۔ The Persian Literature, P.988

۳۶۔ شیخ محمد اکرام، رود کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ ص ۲۹۰، بحوالہ تزک جہانگیری

۳۷۔ مکتوبات شریف، جلد سوم، مکتوب نمبر ۴۳

۳۸۔ مکتوبات شریف، جلد سوم، مکتوب نمبر ۱۰۶ (قلمی)

۳۹۔ تزک جہانگیری، ص ۴۳۶

۴۰۔ تزک جہانگیری، ص ۶۵۶

۴۱۔ تزک جہانگیری، ص ۶۹۶۔۶۹۷

۴۲۔ تزک جہانگیری، ص ۶۹۸

۴۳۔ شیخ محمد اکرم، رود کوثر، مطبوعہ لاہور، ۱۹۵۸ء، ص ۲۶۹ بحوالہ مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی

۴۴۔ علمائے ہند کی شاندار ماضی، حصہ اول، مطبوعہ دہلی، ۱۳۵۸ھ، ص ۱۰۸۔۱۱۷

۴۵۔ مرزاہادی بیگ، تزک جہانگیری (تکملہ)، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ء، ص ۸۵۲

۴۶۔ علمائے ہند کی شاندار ماضی، ص ۱۱۸

(۵)

سانحہ وصال

وصال سے دس برس قبل ۱۰۲۴ھ میں حضرت مجدد نے فرمایا تھا۔

" چناں وانمودند و ملہم گردانیدند کہ قضائے مبرم و عمر زندگانی ما
بہ شصت وسہ سالگی ست (۱)

(ترجمہ) یہ دکھایا گیا ہے اور یہ الہام کیا گیا ہے کہ قضائے مبرم
اور ہماری زندگی کی عمر ۶۳ سال ہے۔

پھر ۱۰۳۲ھ میں جب آپ کا قیام لشکر شاہی کے ساتھ اجمیر شریف میں تھا، ایک دن فرمایا " ہمارے انتقال کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں " اور صاحب زادگان گرامی قدر خواجہ محمد سعید اور خواجہ محمد معصوم علیہما الرحمہ کو سرہند تحریر فرمایا۔

" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم کو دنیا کا
اجازت نامہ دینے کے بجائے آخرت کا اجازت نامہ دیا گیا۔ (۲)

اس مکتوب کے پہنچتے ہی دونوں صاحبزادے خدمت بابرکت میں اجمیر شریف حاضر ہوئے، حضرت مجدد نے چند روز ان کو خلوت میں رکھا، پھر فرمایا۔

" مرا اکنوں بہ، ہیچ گونہ نظرے وبہ ہیچ وجہ بستگی بہ ایں جہاں
نماندہ، می باید بہ آں جہاں شد و آثار رفتن نیز مشہود می گردد " (۳)

(ترجمہ) اب اس دنیا پر نہ میری نظر رہی اور نہ اُس دنیا سے
کسی قسم کا تعلق رہا، پس اب اس دنیا میں چلنا چاہیئے اور جانے
کے آثار بھی نظر آ رہے ہیں۔

یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ انھیں دنوں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری (م۔۶۳۳ھ ۱۲۳۶ء) کی درگاہ میں آپ مراقب تھے، اسی دن مزار مبارک کی چادر بدلی گئی، جب حضرت مجدد مراقبہ سے فارغ ہوئے تو درگاہ کے خادموں نے وہ چادر آپ کی نذر کی، آپ نے آہ سرد کھینچی اور فرمایا:۔

"لباسے ازیں نزدیک تر بہ حضرت خواجہ نہ بود لاجرم آں را ہما
لطف نمودند برائے تکفین ما نگاہ داشتہ باش" (۴)

(ترجمہ) حضرت خواجہ کی نظر میں اس سے زیادہ پسندیدہ لباس
کوئی اور نہ تھا اور لامحالہ وہی ہمیں عنایت فرمادیا۔ ہمارے کفن
کے لیے اس کو محفوظ رکھنا۔

خواجہ محمد ہاشم فرماتے ہیں کہ اجمیر شریف کے زمانہ قیام میں ایک رات حجرہ شریف کے قریب گیا تو اندر سے گریہ وزاری کی آواز آرہی تھی، کان لگا کر سنا تو آپ زاروقطار رو رہے ہیں اور یہ شعر زبان مبارک پر جاری ہے

با دو روزہ زندگانی جاتے نہ شد سیر از غمت
وہ چہ خوش بودی کہ عمر جاودانی داشتے

(ترجمہ) اس دو روزہ زندگی میں تیرے غم محبت سے سیری نہ
ہوئی کیا اچھا ہوتا کہ عمر جاوداں ملتی۔

اللہ اللہ! غم محبوب کی طلب تو دیکھو کہ عمر جاودانی کی آرزو بھی کی تو غم جاناں کے لیے۔

۱۰۳۳ء میں حضرت مجدد، جہانگیر (۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷ء) سے اجازت لے کر سرہند تشریف لے آئے اور یہاں آکر خلوت گزیں ہو گئے، خلوت خاص میں صرف مخدوم زادگان، خواجہ محمد ہاشم کشمی اور دو تین خادموں کو باریابی ہوتی تھی، صوبہ دکن

میں کچھ اختلال ہوا تو خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اپنے گھر واپس جانے کے لیے اجازت طلب کی اور دعا کی درخواست کی، حضرت مجدد نے آہ سرد بھر کر فرمایا:۔

"دعا کنم کہ در آخرت باہم یک جا جمع شویم (۵)

(ترجمہ) دعا کرتا ہوں کہ ہم آخرت میں ایک جگہ جمع ہوں۔

اس کی بعد خواجہ محمد ہاشم کشمی اواخر رجب ۱۰۳۳ھ میں رخصت ہو گئے ۔۔۔

رباعی

حرفے نشفتہ از دبستان رفتیم
صبحے نشگفتہ از گلستاں رفتیم
آوخ کہ چوں آہ سرد اصحاب خمار
نا خوردہ شراب از دل مستاں رفتیم

اس کے بعد کے حالات خواجہ بدرالدین سرہندی سے معلوم ہوتے ہیں جو حضرت مجدد کے خلفاء میں ہیں اور ایک زمانہ تک آپ کی صحبت میں رہے ہیں، خواجہ موصوف فرماتے ہیں کہ ماہ شعبان ۱۰۳۳ھ کی پندرہویں شب کو حضرت مجدد آدھی رات کے وقت مکان کے اندر تشریف لائے، اہلیہ محترمہ مصلے پر تشریف فرماتھیں انھوں نے فرمایا:۔

"امشب کہ شب تقدیر آجال و آمال است خداوند نام کراز ورق ہستی محو کردہ باشند ونام کرا ثابت داشتہ ! (۶)

(ترجمہ) آج کی رات کہ موت کے اوقات اور امیدوں کے فیصلے کی رات ہے، نہ معلوم اللہ تعالیٰ نے کس کا نام ورق ہستی سے مٹا دیا اور کس کا باقی رکھا!

حضرت مجدد نے یہ سنکر فرمایا:۔

"شمابشک و ترددمی گوئید چہ باشد حال کس کہ معائینہ می بیند کہ
نام او راازصحیفہ زندگانی ایں جہانے محو ساختند" (۷)
(ترجمہ) تم یہ بات شک اور تردد سے کہہ رہی ہو اس شخص کا کیا
حال ہو گا کہ جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ اس کا نام اس
جہاں کے صحیفہ زندگی سے مٹا دیا گیا ہے۔

وسط ذی الحجہ ۱۰۳۳ میں ضیق النفس کا عارضہ شدت اختیار کر گیا، جس قدر مرض شدت اختیار کرتا جاتا، شوق لقائے محبوب بھی بڑھتا جاتا تھا اللھم بالرفیق الاعلےٰ زبان مبارک پر جاری تھا۔ شوق وصال میں ایک دن فرمایا۔

"اگر حکیم یہ کہے کہ تیرا مرض قابل علاج نہیں ہے تو خدا کا شکر
ادا کروں گا" (۸)

اور شدت اشتیاق میں زبان گہربار پر یہ مصرع جاری تھا ع

آج ملاوا کنت سوں سکھی سبھ جگ دیئوں وار

۱۲ محرم الحرام ۱۰۳۴ھ کو فرمایا۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ چالیس پچاس دن کے اندر اندر تو اس
جہان سے رخصت ہو جائیگا" (۹)

چالیس روز گزرنے کے بعد ۲۲ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ کو فرمایا۔

"چالیس روز تو گذر گئے ہیں دیکھو سات آٹھ روز میں کیا پیش آتا
ہے" (۱۰)

۲۳ صفر المظفر جمعرات کے دن فقراء میں کپڑے تقسیم کیے، تنفس کی شکایت کے ساتھ ساتھ بخار بھی ہو گیا، ۲۸ صفر کی رات کو تہجد کے وقت بیدار ہوتے، بخار کی حالت میں کھڑے ہو کر نماز تہجد ادا کی اور فرمایا۔

"ایں آخریں تہجد است" (۱۱)

(ترجمہ) یہ ہماری آخری تہجد ہے۔

اتباع سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عظیم الشان جذبہ تھا، آخری وقت صاحبزادگان کو وصیت فرمائی:۔ سنت رابدنداں خواہند گرفت" (۱۲)

پھر اپنی قبر کے لیے وصیت فرمائی:۔

"قبر مرادر جائے گمنام خواہند مقرر داشت" (۱۳)

(ترجمہ) میری قبر کسی گمنام جگہ بنادیں۔

صاحبزادگان کو کچھ تامل ہوا تو فرمایا:۔

"اگر چنیں نہ کنید بیرون شہر نزدیک والد بزرگوار دفن کنید یا بیروں شہر در باغ تربت من مقرر دارید وقبر مرا خام گزارید تا بہ اندک زمانے ازاں نشانے نماند" (۱۴)

(ترجمہ) اگر یہ نہ کرو تو پھر شہر کے باہر والد بزرگار کے نزدیک دفن کر دینا یا شہر کے باہر باغ میں میری قبر بنادینا اور میری قبر کو کچا رکھنا تاکہ تھوڑے عرصہ کے بعد اس کا نام و نشان نہ رہے۔

سبحان اللہ فنا کے کس درجہ پر تھے کہ نشان قبر تک گوارا نہیں، مگر جو اس بے نشان کے عشق میں بے نشان ہو گئے ہیں ان کا نام ونشان مٹانا گردش دوراں کے بس کی بات نہیں:۔

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

۲۸ صفر المظفر دو شنبہ کے دن جس دن آپ کا وصال ہوا رات کو خادموں کو بلا

کر فرمایا۔

"بسیار محنت کشید ہمیں امشب است وبس"(۱۵)

(ترجمہ) بہت تکلیف اٹھائی بس آج کی رات اور باقی ہے"

۲۹ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ دو شنبہ کے روز آپ کی حالت زیادہ نازک ہو گئی تو خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ نے عرض کیا۔

"حال شریف چون ست؟"(۱۶)

(ترجمہ) مزاج اقدس کیسے ہیں

جواباً ارشاد فرمایا۔

"خوبیم آں دو رکعت نماز کہ کردہ ایم کافی است"(۱۷)

(ترجمہ) بہت اچھے ہیں وہ دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھی ہے بس وہی کافی ہے۔

اس کے بعد آپ نے کلام نہیں فرمایا اور ذکر ذات شروع کر دیا اور تھوڑی دیر کے بعد جاں عزیز جان جاناں کے سپرد کر دی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بہر بہار گل از گل بر آرد سر
گلے برفت کہ نہ آید بصد بہار دگر

کیفیت غسل

حضرت مجدد کی کیفیت غسل بھی قابل ذکر ہے، کماتعیشون تموتون....

خواجہ بدرالدین علیہ الرحمہ غسل کے وقت موجود تھے، وہ پانی دے رہے تھے اور حضرت مجدد کے بھتیجے شیخ بہاء الدین غسل دے رہے تھے، شیخ بدرالدین کا بیان

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے اس طرح نقل کیا ہے:۔

"چوں غسال آں بدن انور را تختہ غسل آورد و جامہارا از تن مبارک بر کشید ہمہ حاضراں معاینہ دیدند کہ آں حضرت بر شیوہ نماز دست بستہ بودند وابہام و خنصر راست بر گرد رسغ دست چپ حلقہ دادہ و حال آں کہ حضرات مخدوم زادہا بعد ارتحال دست ہائے ایشاں رادر از کردہ بودند در زمان خوابانیدن بر تختہ تبسم نمودند و مدتے ہم چناں متبسم بودند چناں کہ فریاد از حاضراں بر آمد۔ ایں قصہ مصداق ایں قطعہ گردید:۔

یاد داری کہ وقت آمدنت
ہمہ خنداں بدند ، تو گریاں
ہم چناں زی کہ وقت رفتن تو
ہمہ گریاں شوند و تو خنداں

دست ہائے شریف راغسال کشادہ راست کردہ بریسار مضطجع گردانیدہ غسال جانب یمین داد چوں بر جانب یمیں خوابانید تا یسار را نیز غسل دادہ باز مرئی حاضراں گردید کہ دست ہائے شریف بحرکت ضعیف کہ آں از قوت ولایت کاملہ نشان قوی بود متحرک شد تا بہم آمد و بطریق سابق ابہام و خنصر یمین بر رسغ یسار حلقہ گشت وحال آں کہ چوں اضطجاع بر یمین بودبایستے کہ دست راست بر چپ نمی ایستاد باوجود آں کہ دست ہائے لطیف از غایت نرمی از موم وبرگ گل ملائم تر بود لیکن بقوتے مقبوض شدہ بودہ کہ افتادن وجدا شدن امکان نداشتہ وقتے کہ کفن

پوشانیدہ اند آں وقت نیز آں قبض بظہور رسیدہ بود وہم چنیں
ازاں کہ حضرت را بر تختہ غسل فرود آوردند قبض بدیں بر نہج
مسطور واقع گردید وچوں حاضراں کشادند مشاہدہ می کردند کہ
دست ہاے مبارک آں حضرت بر سبیل مذکور باہم جمع شدند
وہم بریں منوال دوسہ کرت واقع شد آخر چوں معلوم گردید کہ
ایں جا سرّے ست مبطن ورازے ست مخفی یاز بکشادن آں
متعرض نہ شدند وگفتند حضرت خواجہ محمد سعید سلمہ اللہ فرمودہ
اند چوں مرضی حضرت ایشان ما سکنہ اللہ .بحبوبة الجنان
چنین ست ، چنیں گزارید، صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم کما تعیشون تموتون ذالک فضل اللہ یؤتیہ من
یشاء واللہ ذوالفضل العظیم (۱۸)

یعنی جب غسال نے بدن انور کو تختہ پر لٹایا اور کپڑے اتارے تو حاضرین نے ملاخطہ کیا کہ حضرت نماز کی طرح نیت باندھے ہوتے ہیں، حال آں کہ وصال کے وقت مخدوم زادگان نے ہاتھ سیدھے کر دیے تھے، جب ہاتھوں کو کھول کر بائیں کروٹ پر لٹایا اور داہنی طرف غسل دیا اور پھر داہنی کروٹ پر لٹا کر بائیں طرف غسل دے کر سیدھا لٹایا تو پھر حاضرین نے دیکھا کہ ہاتھوں کو حرکت ہوئی اور وہ خود بخود نیت کی حالت میں آ گئے، ہاتھ لگا کر دیکھا گیا تو گرفت مضبوط تھی، حالانکہ آپ کے دست مبارک پھول کی پنکھڑی کی طرح ملائم تھے، جب ہاتھ علحدہ کیے گئے تو پھر حاضرین نے دیکھا کہ اسی طرح ہو گئے دو تین مرتبہ ایسا ہوا، آخر خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ جب حضرت کی یہی مرضی ہے تو رہنے دو۔

اقبال نے خوب کہا ہے:۔

ہو اگر خودنگر و خودگر و خودگیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

غالباً حضرت مجدد کے اسی کرامت کو سن کر آپ کے مخدوم زادے حضرت خواجہ محمد عبداللہ علیہ الرحمہ (م۔۱۰۷۵ھ) نے سانحہ ارتحال کا یہ تاریخی مادہ نکالا ہے:۔

مات ولم یمت بل حی ابدا ۱۰۳۴

(ترجمہ) وہ مر گئے اور ہرگز نہیں مرے بلکہ وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہیں۔

خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ کے خلیفہ مولانا محمد صادق علیہ الرحمہ نے یہ مادہ تاریخ نکالا ہے:۔

الموت هو جسر یوصل الحبیب الی الحبیب [۱۹] ۱۰۳۴ھ

(ترجمہ) موت، وہ تو ایک پل ہے جو محبوب کو محبوب سے ملاتا ہے۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی علیہ الرحمہ نے اس آیت سے تاریخ وفات نکالی ہے:۔

الآان اولیآء اللہ لا خوف علیھم [۲۰] ۱۰۳۴ھ

(ترجمہ) آگاہ ہو جاؤ، بے شک اللہ کے دوستوں پر کوئی خوف نہیں۔

اس کے علاوہ انھوں نے یہ قطعہ تاریخ بھی لکھا ہے:۔

یا ایھاالانام لقد سافر الامام
من کان ذیل رافتہ عروۃ القبول

قطب الذی تفوض ربّ السماء لہ
حال التی تحیّر فی شانہا العقول

الموت کان بدر کمال قد انطلق
من مشرق الظہور الی مغرب الافول

لما اصاب ارث رسول .بحقہ
اکتب لعام رحلتہ وارث الرسول[۲۱]
۱۰۳۴ھ

حواشی باب پنجم

۱۔ خواجہ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء، ص۔ ۲۸۲

۲۔ خواجہ بدرالدین، حضرات القدس، مطبوعہ لاہور ۱۹۲۱ھ ص ۱۷۷

۳۔ زبدۃ المقامات، ص ۲۸۲

۴۔ زبدۃ المقامات، ص ۲۸۴

۵۔ زبدۃ المقامات، ص ۲۸۵

۶۔ زبدۃ المقامات، ص ۶۔۲۸۵ و حضرات القدس، ص ۱۷۷

۷۔ زبدۃ المقامات ص ۶۔۲۸۵ و حضرات القدس، ص۔ ۱۷۷

۸۔ زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۸۶

۹۔ زبدۃ المقامات

۱۰۔ زبدۃ المقامات، ص ۲۸۹

۱۱۔ زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۸۹

۱۲۔ زبدۃ المقامات، ص ۹۰۔۲۸۹

۱۳۔ زبدۃ المقامات، ص ۹۰۔۲۸۹

۱۴۔ زبدۃ المقامات، ص۔ ۹۰۔۲۸۹

۱۵۔ زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۹۲

۱۶۔ زبدۃ المقامات، ص ۲۹۲

۱۷۔ زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۹۲

۱۸۔ زبدۃ المقامات، ص۔ ۲۹۳

۱۹۔ زبدۃ المقامات، ص۔ ۳۰۰

۲۰۔ زبدۃ المقامات، ص۔ ۳۰۰

۲۱۔ زبدۃ المقامات، ص۔ ۳۰۰

(۶)

مقام حضرت مجدد علیہ الرحمہ

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں بے پردہ ہو روح قرآنی

تاریخ ہند کے تاریک ترین دور میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے جو اصلاحی کارہائے نمایاں انجام دئے وہ ان کی عظمت پر شاہد ہیں، مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو "مجدد الف ثانی" قرار دیا[۱] یعنی دوسرے ہزارہ ہجری کا مجدد اور ملت اسلامیہ نے یک زبان ہو کر اس کی تائید کی

خواجہ محمد ہاشم کشمی فرماتے ہیں:۔

"راقم حروف گوید مرا بر دل خطور می کرد اگر یکے از اعاظم علمائے وقت ایں معنی را کہ حق سبحانہٗ ایشاں را "مجدد الف" ساختہ مسلم می داشت تائید تمام بود تا روزے بہ ایں خطرہ بخدمت حضرت ایشاں رسیدم، بہ ایں حقیر خطاب نمودہ فرمودند "مولانا عبدالحکیم سیال کوٹی کہ در علوم عقلیہ و نقلیہ، تصانیف علیہ چوں وے در دیار ہند نمی نماید کتابتے بما نوشتہ بود تبسم نمودہ فرمودند یکے ازاں فقرات مدحیہ ایں بود کہ "مجدد الالف الثانی"[۲]

(ترجمہ) راقم الحروف کہتا ہے کہ یہ بات میرے دل میں آتی تھی کہ اگر موجودہ دور کے بڑے علماء میں سے کوئی اس حقیقت کی تائید کر دے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہزارہ دوم کا مجدد بنا کر

بھیجا ہے تو یہ بات مان لی جاتے۔ ایک دن میں اسی خیال کو لئے
ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس حقیر کو مخاطب کر کے
فرمایا مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی، علوم عقلیہ نقلیہ میں جس شان
کی انھوں نے کتابیں لکھی ہیں پورے ہندوستان میں نظر نہیں
آتیں۔ آپ نے ہم کو ایک مکتوب لکھا تھا پھر مسکرا کر فرمایا کہ
تعریفی کلمات میں ایک فقرہ "مجدد الالف الثانی" بھی تھا۔

خود حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے دعویٰ مجددیت نہیں کیا، آپ نے کسی مکتوب میں بھی خود کو مجدد نہیں لکھا، بلکہ ہمعصر اور متاخرین علماء و صوفیہ نے آپ کو "مجدد الف ثانی" لکھا ہے، شاہ غلام علی (م۔ ۱۲۴۰ھ) فرماتے ہیں:-

"ایشاں "مجدد الف ثانی" اند و حقائق و دقائق و کثرت معارف
الٰہیہ و فیوض و برکات ایشاں و افاضات کثیرہ کہ اصلاح دلہا نمودہ
و مقامات عالیہ کہ در طریقہ خود بالہامات حقہ مقرر فرمودہ اند و آں
مقامات قرب الٰہی است سبحانہ" (۳)

قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:-

"......و چوں ہزار گشت و نوبت الوالعزم رسید حق تعالیٰ موافق
عادت قدیم برائے ہزارہ دوم مجددے پیدا کرد کہ در سائر
اولیاء مجددان مثل اولوا العزم باشد در انبیا و رسولان و او را از بقیہ
طینت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم آفرید و ایں مقامات
و کمالات داد کہ کسے ندیدہ بود و بطفیل او ایں کمالات در آخر زماں
شائع و جلوہ گر گردانید" (۴)

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے مکتوبات کی بعض عبارات پر شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ (م۔۱۰۵۳ھ / ۱۶۴۲ء) کو کچھ کلام تھا گو دونوں حضرات خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ سے فیض یافتہ تھے ۔ جب شیخ نور الحق علیہ الرحمہ (م۔۱۰۷۳ھ / ۱۶۴۲ء) کی وساطت سے مراسلت کے ذریعہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمہ کے شکوک و شبہات رفع ہو گئے تو دونوں کے درمیان خلوص اور محبت کا کچھ اور ہی عالم ہو گیا، جس کا اندازہ اس مکتوب سے ہوتا ہے جو آپ نے خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کے خلیفہ خواجہ حسام الدین علیہ الرحمہ (م۔۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء) کے نام ارسال فرمایا، ملاحظہ فرمائیں:۔

"دریں ایام صفائے فقیر بخدمت میاں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ از حد متجاوز است واصلاً پردہ بشریت و عشاوہ جبلت بمیاں نماندہ، قطع نظراز رعایت طریقہ و انصاف و حکم کہ بااین چنیں عزیزاں وبزرگان بد نباید بود در باطن بطریقہ ذوق و وجدان وغلبہ چیزے افتادہ کہ زبان از تقریر آں لال است سبحان اللہ مقلب القلوب و مبدّ الاحوال شاید ظاہر بیناں استبعاد کنند من نمی دانم کہ حال چیست و بہ چہ منوال است؟" (۵)

(ترجمہ) ان دنوں شیخ احمد سلمہ اللہ تعالیٰ سے فقیر کی صفائی حد سے زیادہ ہو چکی ہے اور پردہ بشریت و جبلت درمیان میں نہیں رہا انصاف و عقل اور رعایت طریقہ سے قطع نظر (کہ جو اس قسم کے عزیزوں اور بزرگوں کے ساتھ برا نہ ہونا چاہیے) باطن میں ذوق وجدان اور غلبہ سے وہ چیز آتی ہے کہ زبان اس کے بیان سے قاصر ہے، کیا ہی پاک ہے وہ ذات جو دلوں کو پھیر دیتی ہے

اور حالوں کو بدل دیتی ہے شاید ظاہر بینوں کو یہ بات بعید از عقل
نظر آئے لیکن میں نہیں جانتا کہ حال کیا ہے اور کس طرح ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کے نفوس قدسیہ میں نفرت و کدروت کا گزر تک نہیں، وہ جو بات کہتے ہیں، خلوص وللہیت سے کہتے ہیں، دل صاف رکھتے ہیں کہ مومن کا دل اللہ کا عرش ہے، ان کے نشان قدم ہمارے لیے مشعل راہ ہیں، ان دونوں حضرات کی صفائے قلب کا اندازہ اس مکتوب عالی سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو حضرت مجدد نے آخری ایام میں غالباً قلعہ گوالیار سے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مکتوب گرامی کے جواب میں تحریر فرمایا تھا یہ مکتوب شریف اوپر کسی مقام پر پیش کیا جاچکا ہے۔

مولانا محمد حسن غوثی علیہ الرحمہ نے جو شاہ محمد غوث گوالیاری (۹۷۰ھ) کے مرید تھے، اولیاے کرام کے حالات میں ایک تذکرہ مرتب کیا تھا، موصوف حضرت مجدد علیہ الرحمہ کو ان القاب سے یاد فرماتے ہیں:۔

بالانشین مسند محبوبیت، و صدر آرائے محفل وحدانیت خدیو مقام
فردیت، وصاحب مرتبہ قطبیت (۲)

جس زمانے میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ لشکر شاہی کے ساتھ اجمیر شریف میں مقیم تھے، بلخ سے ایک طالب، زیارت کے لیے آیا اور مندرجہ ذیل بزرگوں کے نیاز مندانہ دعوت نامے پیش کئے، سید میر، شیخ قدیم کبروی، میر مومن، مولانائے ربانی، حسن قبادیانی، اقضی القضات مولانائے تولک وغیرہم، طالب مذکور نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی خدمت بابرکت میں میر مومن بلخی کا یہ زبانی پیغام بھی پہنچایا۔

"اگر ما را کبر سن و مسافت بعیدہ مانع نبودے ملازمت شریف
رسیدہ بقیہ عمر در خدمت می بودیم۔ واز انوار احوال بلند "مالا

عین رائت و لا اذن سمعت " اقتباس می نمودیم۔ چوں ایں
موانع درمیان است التماس آن ست از مخلصان حضور دانستہ بہ
افاضات غائبانہ متوجہ احوال ایں محباں بہ ظاہر مہجور بہ معنی در
خدمت حضور می بودہ باشند " (۷)

(ترجمہ) اگر ضعیف العمری اور دوری مسافت مانع نہ ہوتے تو
خدمت بابرکت میں پہنچ کر باقی زندگی گزار دی جاتی اور ان انوار
سے منور ہوتے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھے اور نہ کسی کان نے
سنے۔ چوں کہ یہ موانع درمیان میں ہیں اس لیے یہ التماس ہے کہ
ہم کو اپنے مخلصین میں شمار فرما کر افاضات غائبانہ سے نوازیں۔ یہ
محبین بظاہر دور ہیں مگر خدمت میں حاضر رہتے ہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی حیات ہی میں ان کی شہرت نہ صرف ہندوستان بلکہ افغانستان، روس، ترکی، شام وغیرہ میں بھی پھیل چکی تھی، مولانا رحمان علی لکھتے ہیں:۔

" و بہ ہماں زماں آوزہ آں حضرت بلند شدہ آستاں محط رجال
و مجمع اصحاب کمال گشت علمائے دور و نزدیک و امرائے ترک و
تاجیک بہ شرف حضور بہرہ ور گردیدند و مشائخ ارادت آوردند و
سلسلہ شاں از ہند تا ماوراء النہر و روم، شام و مغرب رسیدہ " (۸)

(ترجمہ) اسی زمانے میں آنحضرت کی شہرت دور دور پھیل چکی
تھی اور آستانہ عالیہ پر کاملین زمانہ جمع ہو گئے تھے، علماء و امراء
دور و نزدیک سے آ رہے تھے، مشائخ طریقت حلقہ ارادت میں
داخل ہو رہے تھے، آپ کا سلسلہ ہندوستان سے گزر کر ماوراء
النہر، روم و شام اور اور بلاد مغرب تک پھیل گیا تھا۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامی تحریر فرماتے ہیں:۔

"سحاب باطل روی العرب والعجم امطارہ ، نیر اعظم بلغ المشارق والمغارب انوارہ ، جامع العلوم الظاہرہ والباطنہ، خازن الکنوز البارزہ والکامنہ (۹)

(ترجمہ) ایک ابر باراں ہے جس نے عرب و عجم کو سیراب کر دیا ہے۔ ایک آفتاب ہے جس کی روشنی مشرق و مغرب تک پھیل چکی ہے۔ علوم ظاہر و باطن کے جامع ہیں اور ظاہر و باطن خزانوں کے مالک ہیں۔

مندرجہ بالا بیانات اس کے شاہد ہیں کہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا آوازہ، خود ان کی زندگی میں بلند ہو چکا تھا۔

شاہ ولی اللہ دہلوی نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے رسالہ "رد الرفضہ" کی عربی میں شرح لکھی ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں:۔

الرسالة التی انشاها اوحد زمانہ وفرید آوانہ الجهبذ الراسخ فی الشریعہ والطریقہ والطوا دالشامخ فی المعرفة والحقیقة ، ناصر السنہ قامع البدعة ، سراج اللہ الموضوع یستضی بہ من شاء من عبادہ المؤمنیں وسیف اللہ المسلول علی اعداء لا من الکفرہ والمبتدعین ، الامام العارف العالم الالمعی مولانا الشیخ احمد الفاروقی الماتریدی الحنفی النقشبندی السرہندی (۱۰)

(ترجمہ) یہ رسالہ ایسے یکتائے زمانہ، فرید وقت اور کامل الفن نے تصنیف کیا ہے، جو شریعت اور طریقت پر ثابت قدم ہے، معرفت و حقیقت میں ایک بلند پہاڑ کی مانند ہے، ناصر

سنت اور قامع بدعت ہے، خدا کا روشن چراغ ہے، اس کے مومن بندوں میں سے جو چاہتا ہے اس سے روشنی حاصل کرتا ہے، دشمنان خدا، کفار اور بدعتیوں کے لئے وہ اللہ کی ننگی تلوار ہے، امام عارف ہے، روشن دماغ عالم ہے، جس کا نام مولانا شیخ احمد فاروقی ماتریدی حنفی نقشبندی سرہندی ہے

شاہ غلام علی (م۔ ۱۲۴۰ھ) "ایضاح الطریقہ" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"وباجود اخذ و کسب فیوض ہر چہار خاندان عالی شان از جناب الہیٰ بمواہب جلیلہ وعطایاے نبیلہ سرفراز شدہ اند کہ عقل در ادراک آں کمالات و حالات حیران است، حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ دربارہ حضرت ایشان فرمودہ اند کی ہمچو ایشاں زیر فلک نیست و دریں امت مثل ایشان چند کس معلوم می شود معلومات مکشوفات ایشاں ہمہ صحیح و قابل آن است کہ بنظر انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات در آید و از مکاتیب شریفہ حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ العزیز کمال حضرت ایشاں معلوم می شود[(۱)]

(ترجمہ) چاروں عالی شان سلسلہاے طریقت سے اخذ اور کسب فیوض کے علاوہ اللہ کی درگاہ سے مواہب جلیلہ اور عطایاے نبیلہ سے سرفراز ہوتے ہیں، ان کے کمالات و حالات کے سمجھنے سے عقل متحیر و عاجز ہے، حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ آسمان دنیا کے نیچے ان جیسا کوئی نہیں ہے اور امت مسلمہ میں ان جیسے چند ہی لوگ گزرے ہیں، آپ کی

معلومات اور مکشوفات صحیح ہیں، اور اس قابل ہیں کہ انبیاء علیہم الصلوت التسلیمات کی نظر میں لائی جائیں، حضرت خواجہ قدس اللہ سرہ العزیز کے مکاتیب شریفہ سے آپ کے کمال کا علم ہوتا ہے۔

نواب صدیق حسن خاں مشرباً اہل حدیث تھے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے حضرت مجدد کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے:۔

"عالم عارف کامل و مکمل بود، طریقہ نقشبندیہ را امام عہد است و برائے صوفیہ در مسالک سلوک مجدد، مکتوباتش در سہ مجلدات دلیل واضح اند بر علو علم و کمال تجرد در معرفت و بلوغ غایت مقامات ------ وطریقہ علیہ وے رحمہ اللہ مبنی بر اتباع کتاب و سنت در ظاہر و باطن ونہ پذیر رفتن چیزے کہ مخالف ایں ہر دو اصل محکم باشد و ایں مکتوبات اصول عظیمہ است از برائے وصول بمنازل معرفت و قبول طالب صادق و سالک راغب را در ہیچ وقت از اوقات از مطالعہ آں بے نیازی حاصل نیست" (۱۲)

(خلاصہ)، عالم اور عارف کامل تھے، طریقہ نقشبندیہ کے امام زمانہ تھے، آپ کے مکتوبات جو تین جلدوں پر مشتمل ہیں آپ کے کمال و وسعت علمی پر کھلی دلیل ہیں، ان سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ آپ معرفت کے انتہائی مقام تک پہنچ گئے تھے۔ یہ مکتوبات منازل معرفت تک پہنچنے کے لیے عظیم بنیاد ہیں، سالک اس کے مطالعہ سے کسی وقت بے نیاز نہیں رہ سکتا آپ کا طریقہ عالیہ کتاب و سنت پر قائم ہے۔

ایک اور جگہ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:۔

علو مرتبہ کشفہاے مجدد الف ثانی دریافت باید کرد کہ از چشمہ صحو سرزدہ و گاہے مخالف شرع نیفتادہ بلکہ بیشتر را شرع موید است و بعضے چنان است کہ شرع ازاں ساکت است و مرتبہ او در اولیاء مثل مرتبہ الوالعزم است در انبیاء۔" (۱۲)

(ترجمہ) حضرت مجدد الف ثانی کے کشف کی بلندی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سارے کشف سرچشمہ صحو سے سرزد ہوئے ہیں، کوئی کشف بھی مخالف شرع نہیں۔ البتہ بعضے کشف ایسے ہیں جن کے بابت شریعت خاموش ہے۔ اولیاء میں آپ کا وہ مقام ہے جو نبیوں میں کسی الوالعزم نبی کا۔

شاہ احمد رضا خاں بریلوی (م۔ ۱۳۴۰ھ / ۱۹۲۱ء) ندوۃ العلماء کے ناظم مولانا محمد علی مونگیری کے نام اپنے ایک مکتوب (محررہ ۵۔ رمضان المبارک ۱۳۱۳ھ) میں لکھتے ہیں:۔

بالفعل آپ جیسے صوفی صافی منش کو حضرت شیخ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا ایک ارشاد یاد دلاتا ہوں اور اس عین ہدایت کے امتثال کی امید رکھتا ہوں، حضرت ممدوح اپنے مکتوب شریفہ میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"فساد مبتدع زیادہ تر از فساد صد کافر است"

مولانا خدارا انصاف ! آپ یا زید یا اور ارکین مصلحت دین و مذہب کو زیادہ جانتے ہیں یا حضرت مجدد ؟ مجھے ہرگز آپ کی خوبیوں سے امید نہیں کہ اس ارشاد ہدایت بنیاد کو معاذ اللہ لغو و

باطل جانیئے اور جب وہ حق ہے اور بیشک حق ہے تو کیوں نہ مانیئے؟(۱۴)

مدینہ منورہ کے شیخ وقت حضرت مفتی ضیاء الدین قادری مدنی علیہ الرحمہ (م۔ ۱۴۰۱ھ / ۱۹۸۱ء) نے بقول شیخ محمد عارف مدنی دونوں دست مبارک سر پر رکھ کر فرمایا کہ "حضرت مجدد علیہ الرحمہ الف ثانی علیہ الرحمہ ہمارے سر کے تاج ہیں، ہمارے سر کے تاج ہیں" مفتی ضیاء الدین مدنی علیہ الرحمہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی علیہ الرحمہ کی اولاد امجاد سے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے حضرت شیخ احمد سرہندی علیہ الرحمہ کو "مجدد الف ثانی" فرمایا۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا ہر مسلک فکر کے علماء و مشائخ نے حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کو رھبر و پیشوا مانا ہے پھر کیوں نہ ہم سب آپ کا دامن تھام لیں اور متحد و متفق ہو کر دنیا میں انقلاب برپا کر دیں! اللہ تعالیٰ ہم کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اولاد و امجاد

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے سات صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں جن کی تفصیل یہ ہے:۔

صاحبزادے

(۱) خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ (متوفی ۱۰۲۵ھ)

(۲) خواجہ محمد سعید علیہ الرحمہ (متوفی ۱۰۷۰ھ)

(۳) خواجہ محمد معصوم علیہ الرحمہ (متوفی ۱۰۷۹ھ)

(۴) خواجہ محمد فرخ علیہ الرحمہ (متوفی ۱۰۲۵ھ)

(۵) خواجہ محمد عیسیٰ علیہ الرحمہ (متوفی ۱۰۲۵ھ)

(۶) خواجہ محمد اشرف علیہ الرحمہ

(۷) خواجہ محمد یحییٰ علیہ الرحمہ (متوفی ۱۰۹۶ھ)

صاحبزادیاں

(۱) بی بی رقیہ بانو علیہا الرحمہ

(۲) بی بی خدیجہ بانو علیہا الرحمہ

(۳) بی بی اُم کلثوم علیہا الرحمہ

خواجہ محمد باقی باللہ علیہ الرحمہ کی حیات ہی میں حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے ہاں تین صاحبزادے ہو چکے تھے، محمد صادق (ولادت ۱۰۰۰ھ) محمد سعید (ولادت ۱۰۰۵ھ) اور محمد معصوم (ولادت ۱۰۰۷ھ) علیہم الرحمہ، خواجہ موصوف نے اپنے ایک مکتوب میں ان صاحبزادگان کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

"فرزندان آں شیخ (احمد سرہندی) کہ اطفال اند اسرار الٰہی اند بالجملہ شجرِ طیبہ اند انبتہ اللہ نباتاً حسناً" (۱۵)

خواجہ محمد صادق علیہ الرحمہ کے متعلق خواجہ محمد ہاشم کشمی تحریر فرماتے ہیں۔

"چوں حضرت ایشان در حدود سنہ ہزار و ہشت (۱۰۰۸) صحبت گرامی حضرت خواجہ، فانی ز خود باقی بحق، قدس اللہ تعالیٰ سرہ رسیدند مخدوم زادہ نیز بنظر قبول حضرت خواجہ و اخذ ذکر و مراقبہ و جذبہ و نسبت شریفہ مشرف گشتند و از علوم استعداد و

فطرت و برکات نظر رحمت و تربیت حضرت ایشاں احوالات
شگرف و معاملات عظیمہ نصیب روزگار ایشاں گردید" (۱۶)

(خلاصہ) جب حضرت مجدد علیہ الرحمہ ۱۰۰۸ھ میں خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یہ مخدوم زادہ بھی حضرت خواجہ کی نظر کرم سے مشرف ہوئے۔ پھر حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ کی تربیت سے احوال عجیبہ اور معاملات عظیمہ ان کو نصیب ہوئے۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے مکاتیب گرامی میں صاحبزادہ موصوف کی جا بجا تعریف فرمائی ہے

۱۔ "فرزندی اعزی مجموعہ معارف فقیر است و نسخہ مقامات جذب و سلوک" (۱۷)

(ترجمہ) فرزند عزیز فقیر کا مجموعہ معارف اور مقامات جذب و سلوک کا نمونہ ہے۔

۲۔ "فرزندی کہ از محرمان اسرار ست واز خطا و غلط معصوم" (۱۸)

(ترجمہ) فرزند عزیز جو محرم اسرار ہے، خطا اور غلطی سے محفوظ ہے

۳۔ "ایں مقام را بفرزندی ارشدی عنایت فرمودہ اند داخل ولایت ایشاں ساختہ فقیر ایں جا در رنگ مسافراں در ولایت ایشاں نشستہ است" (۱۹)

(ترجمہ) فرزند عزیز کو یہ مقام عطا فرما کر فقیر کو ان کی ولایت میں داخل کر لیا گیا ہے فقیر اس جگہ مسافروں کی طرح ان کی

ولایت میں بیٹھا ہے۔

۴۔ "استفادہ کہ ایں فقیر از ولایت موسوی نمودہ از راہ اجمال آں ولایت است، و استفادہ فرزندی اعظمی علیہ الرحمہ از را تفصیل آں ولایت، ولایت ایں فقیر کہ از ولایت موسوی مستفادست شبیہ ولایت رجل مومن ست کہ از آل فرعون بودہ و ولایت فرزندی علیہ الرحمہ شبیہ ولایت سحرہ فرعوں کہ ایمان آوردند" (۲۰)

(ترجمہ) ولایت موسوی سے جو فقیر نے استفادہ کیا ہے وہ اس ولایت کی راہ اجمال سے کیا ہے اور فرزند عزیز نے اس ولایت کی راہ تفصیل سے استفادہ کیا ہے الخ.....

خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد فرخ، اور خواجہ محمد عیسیٰ کا انتقال ۱۰۲۵ھ میں طاعون کے دوران ہوا، حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اپنے ایک مکتوب میں ان تینوں صاحبزادگان کے سانحہ ارتحال کا ذکر کیا ہے اور ساتھ ہی ان کے محاسن پر روشنی ڈالی ہے، تحریر فرماتے ہیں۔

"فرزند اعظمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ با دو برادر خود محمد فرخ و محمد عیسیٰ سفر آخرت اختیار نمود، و انا للہ و انا الیہ راجعون، حمد اللہ سبحانہ کہ اولاً باقی ماندگان را قوت صبر عطا فرمودند، ثانیاً بلیہ را سر دادند، خوش گفت"۔

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری
کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل خواری

فرزندی مرحومی آیتے بود از آیات حق جل وعلا اور رحمتے بود از

رحمتہائے رب العالمین، در سن بیست و چہار سالگی آں یافت کہ کم کسے یافت، پایہ مولویت و تدریس علوم نقلیہ و عقلیہ را بحد کمال رسانیدہ بود، حتیٰ کہ تلامیذہ ایشاں بیضاوی و شرح مواقف وامثال ایں ہارا بقدرت تام درس دادند و حکایات معرفت و عرفان و قصص شہود و کشوف ایشاں مستغنی است از آں کہ دربیان آرد" (۲۱)

(ترجمہ) میرا سب سے بڑا بیٹا اپنے دو بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ کے ساتھ وصال کر گیا۔ ان للہ وانا الیہ راجعون اللہ سبحانہٗ کے بے حد شکر واحسان ہے کہ اس نے پس ماندگان کو پہلے صبر کی قوت عطا فرمائی پھر مصیبت کو نازل فرمایا۔۔۔۔ بہت خوب کہا ہے۔۔۔ (شعر)

میرا مرحوم بیٹا اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی تھا۔ اور اللہ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا۔ ۲۴ سال کی عمر میں انھوں نے وہ کچھ پا لیا تھا جو بہت کم لوگ پاتے ہیں۔ علوم نقلیہ وعقلیہ کی تحصیل کو حد کمال تک پہنچا دیا تھا۔۔۔۔۔ شرح مواقف اور اس جیسی کتابوں کا کمال مہارت سے درس دیتے تھے۔ ان کی معرفت وعرفان کی حکایات اور کشف و شہود کے قصے تو بیان ہی نہیں کیے جاسکتے۔

اسی مکتوب میں خواجہ محمد فرخ کے متعلق فرماتے ہیں۔

"از محمد فرخ چہ نویسد کہ در یازدہ سالگی طالب علم شدہ بود کافیہ خواں و بشعور سبق می خواند و ہموارہ از عذاب آخرت ترساں و

لرزاں بود، عائی کرد کہ در سن طفولیت دنیاے را وداع نماید تا از عذاب آخرت خلاص شود، و در مرض موت یارانے کہ بیمار داری اوی کردند عجائب وغرائب از وے مشاہدہ نمودہ اند" (۲۲)

(ترجمہ) محمد فرخ کے بارے میں کیا لکھوں گیارہ برس کی عمر میں سوچ سمجھ کر کافیہ پڑھتا تھا اور ہمیشہ آخرت کے عذاب سے خوف زدہ اور لرزہ بر اندام رہتا تھا اور یہ دعا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ بچپن ہی میں اٹھالے تاکہ آخرت کے عذاب سے نجات پاتے۔ مرض موت میں جو دوست تیمار داری کرتے تھے انہوں نے محمد فرخ کی بہت سی کرامات دیکھیں۔

خواجہ محمد عیسیٰ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"کرامات و خوارق کہ از محمد عیسیٰ تا ہشت سالگی مردم معائنہ کردہ اند چہ نولسید، بالجملہ جواہر نفیسہ بودند کہ بودیعت سپردہ بودند، للہ سبحانہ الحمد و المنتہ کہ امانات را باہل آں بے کرہ وبے اکراہ حوالہ نمودم" (۲۳)

(ترجمہ) ۸ سال کی عمر میں لوگوں نے محمد عیسیٰ جو کرامات اور خوارق دیکھے اس کے متعلق کیا لکھا جائے۔ یہ بچے نفیس موتی تھے جو امانتاً ہم کو دیئے گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ امانات جو اس کا اہل تھا اس کے سپرد کر دی گئیں۔

خواجہ محمد سعید کے متعلق خواجہ محمد ہاشم کشمی تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت ایشاں قدس سرہ (مجدد الف ثانی) می فرمودند کہ محمد سعید چہار و پنج سالہ بود کہ وے را رنجورے پیش آمد در غلبات

آں ضعف از وی پرسیدہ شد کہ "چہ می خواہی" ؟ بے اختیار
گفت حضرت خواجہ رامی خواہم "من ایں حروف اورا بحضرت
خواجہ خود قدس سرہ عرض کردم فرمودند کہ "محمد سعید شما
رندی وحریفے نمود وغائبانہ از ما نسبت در ربود" (۲۴)

(ترجمہ) حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ فرمایا کرتے تھے کہ
محمد سعید چار پانچ سال کا ہو گا کہ بیمار ہو گیا۔ کمزوری کے عالم
میں اس سے پوچھا گیا، کیا چاہتے ہو بے اختیار بول اٹھا، "مجھے تو
حضرت خواجہ چاہییں" میں نے حضرت خواجہ باقی باللہ علیہ
الرحمہ کی خدمت میں یہ بات لکھدی حضرت خواجہ علیہ الرحمہ
نے تحریر فرمایا تمہارے محمد سعید نے رندانہ اور رقیبانہ ہم سے
نسبت لیک لی۔

خواجہ محمد ہاشم کشمی نے خواجہ محمد سعید کے حالات زندگی مختصراً اس طرح بیان
کیے ہیں:۔

"ایں مخدوم زادہ بعد از رسیدن بہ سن تمیز بہ تحصیل علوم
صوری پرداختہ حصہ از علوم را در خدمت حضرت ایشاں رضی
اللہ عنہ و برخے را در ملازمت برادر بزرگ خود قدس سرہ، بعضے
را صحبت شیخ طاہر لاہوری سلمہ اللہ بآخر رسانیدند تا در انواع علوم
عقلی و نقلی مہارت تمام کردند واز حفظ تصرف و یمن توجہ والد
بزرگوار در عین ایں تحصیل از نسبت ایں طائفہ بزرگ احوالات
بلند بدست آوردند وایں مجموع کمالات صوری و ترقیات
معنوی با تمام وانجام رسانیدند در سن ہفتدہ و ہیزدہ سالگی بار دیدہ

شد گویا در ایشاں بلوغ طبع ببلاغت معنوی توام گردید ازاں وقت تا حال کتب علوم دقیقہ را از معقول منقول بمہارت تمام درس می فرمایند در بعض کتب معتبرہ تعلیقات و حواشی زیبا رقم فرمودہ اند" (۴۵)

(ترجمہ) جب یہ مخدوم زادے سن شعور کو پہنچے تو علوم ظاہری کے حصول میں مصروف ہو گئے۔ ان علوم کا کچھ حصہ اپنے والد ماجد حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ سے پڑھا کچھ اپنے بڑے بھائی خواجہ محمد صادق قدس سرہ سے حاصل کیا اور کچھ علوم شیخ طاہر لاہوری سلمہ اللہ تعالیٰ سے تکمیل کو پہنچاتے یہاں تک کہ تمام عقلی اور نقلی علوم میں مہارت حاصل کر لی اور اپنے والد بزرگوار کی توجہ کی برکت سے ان علوم کے تحصیل ہی کے زمانے میں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت حاصل کر کے بلند مقامات تک پہنچے اور (جلد ہی) تمام ظاہری اور باطنی کمالات کی تحصیل اور تتمیم کر لی۔ اور سترہ اور اٹھارہ سال کی عمر میں ظاہری اور معنوی بلوغ بھی حاصل کر لیا۔ اس وقت سے وہ اب تک برابر منقولات و معقولات کی دقیق کتابوں کو پوری مہارت سے پڑھا رہے ہیں اور بعض اہم کتابوں پر تعلقات اور حواشی بھی قلم بند کیے ہیں۔

خواجہ محمد معصوم ۱۲ شوال المکرم ۱۰۰۷ھ کو پیدا ہوئے، حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے خواجہ محمد ہاشم کشمی سے موصوف کے متعلق فرمایا تھا۔

"قدوم میمنت لزوم محمد معصوم یعنی ولادت او مارابس مبارک

وہمایوں آمد کہ بعد از تولد او بچند ماہ بملازمت حضرت خواجہ خود مشرف شدیم، و دیدیم آنچہ دیدیم (۲۶)

(ترجمہ) محمد معصوم کے مبارک قدموں کے آنے سے یعنی ان کی ولادت ہمارے لئے بہت مبارک ثابت ہوئی کہ ان کی ولادت کے چند ماہ بعد ہی حضرت خواجہ (باقی باللہ) کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی اور وہاں ہم نے دیکھا جو دیکھا۔۔۔۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے مکاتیب شریفہ میں جابجا صاحبزادہ موصوف کی تعریف فرمائی ہے، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"۔۔۔۔۔۔ از فرزندی محمد معصوم چہ نویسد کہ وی بالذات قابل ایں دولت ست یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ" (۲۷)

(ترجمہ) اپنے بیٹے محمد معصوم کے لیے کیا لکھوں وہ ذاتی طور پر اس دولت یعنی ولایت خاصہ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے قابل ہیں۔

ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"۔۔۔۔۔۔۔ خاطر ہمیشہ متوجہ احوال شماست و خواہان کمال شما دیروز بعد از نماز بامداد مجلس سکوت داشتم ظاہر شد خلعتے کہ داشتم از من جدا شد و خلعت دیگر بمن متوجہ شد کہ بجاے آں خلعت نشیند بخاطر آمد کہ ایں خلعت زائلہ را بکسے خواہند داد یانہ و آرزوے آں شد کہ آں را بفرزند ارجمند محمد معصوم بدہند بعد از لمحہ دید کہ بفرزندی مرحمت فرمودند و آں خلعت او را تمام

پوشانید و آں خلعت زائلہ کنایہ از معاملہ قیومیت بودہ است کہ بہ تربیت و تکمیل تعلق داشتہ وباعث ارتباط بایں عرصہ مجتمعہ او بود وایں خلعت جدیدہ راچوں معاملہ بانجام رسد و مستحق خلع کردہ امید وارست کہ از کمال کرم آں رابفرزندی اعزی محمد سعید عطافرمایند ایں فقیر تبضرع مسالت ایں معنی می نماید واثراجابتہ می فہمد و فرزندی را مستحق این دولت می یابد" (۲۸)

(ترجمہ) طبیعت ہمیشہ تمہارے حال کی طرف متوجہ اور تمہارے کمال کی خواہاں رہتی ہے، پرسوں نماز فجر کے بعد خاموشی میں بیٹھا ہوا تھا۔ ظاہر ہوا کہ جو خلعت کہ میں رکھتا ہوں وہ مجھ سے جدا ہو گئی اور اس کے بجائے دوسری خلعت مجھے عطا ہوئی۔ اس کے بعد مجھے خیال گزرا کہ یہ خلعت کسی کو دیں گے یا نہیں۔ ایک لمحہ کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ خلعت اسی فرزند ارجمند کو عطا کی گئی اور اتاری ہوئی خلعت معاملہ قیومیت کی طرف اشارہ تھا جو تکمیل و تربیت سے تعلق رکھتی ہے..... اور اس نئی خلعت کا معاملہ جب انجام کو پہنچے گا تو امید ہے کہ کمال کرم سے اس کو فرزند عزیز محمد سعید کو عطا فرمائیں گے یہ فقیر عاجزی کے ساتھ یہ التجا کرتا ہے اور اس دعا کی مقبولیت کا اثر بھی دیکھتا ہے اور اپنے بیٹے کو اس دولت کا مستحق پاتا ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم سے اورنگ زیب عالمگیر عقیدت و محبت رکھتے تھے، چنانچہ خواجہ موصوف کئی بار دربار شاہی میں تشریف لے گئے۔ صاحب فرحت الناظرین لکھتے ہیں:-

"بنا بر استدعائے بادشاہ دین پناہ چند بار بہ بارگاہ عظمت وجاہ رسیدہ بہ اقسام تجبیل و تکریم و انواع توقیر و تعظیم مخصوص گشتہ بود" (۲۹)

عالمگیر نامہ میں دونوں صاحبزادگان کے متعلق لکھا ہے:۔

"شیخ محمد سعید و شیخ محمد معصوم پسران شیخ مغفور واقف اسرار حقائق و علوم شیخ احمد سرہندی کہ ہر یک در فضائل و کمالات صوری و معنوی خلف الصدق آں سالک مسالک طریقت و عرفان ست، بہ انعام ۳۰۰ اشرفی مورد نوازش گردیدند" (۳۰)

(ترجمہ) شیخ محمد سعید اور شیخ محمد معصوم، واقف اسرار حقائق و علوم شیخ احمد سرہندی مرحوم و مغفور کے بیٹے ہیں ان میں ہر ایک ظاہری و باطنی کمالات میں اس طریقت، عرفان کی راہوں کے سالک کے سچے جانشین ہیں اورنگ زیب عالم گیر بادشاہ نے تین سو اشرفیاں عنایت فرمائیں۔

خواجہ محمد معصوم کے صاحبزادے خواجہ سیف الدین (م۔ ۱۰۹۶ھ) کے متعلق صاحب عمدۃ المقامات تحریر فرماتے ہیں:۔

"از خدمت والد خود برائے تربیت سلطان وقت در دار السلطنت می بودند امرا۔ و سلاطین زماں ہمہ در فرمان ایشاں بودند" (۳۱)

(ترجمہ) اپنے والد ماجد (حضرت مجدد الف ثانی) کے پاس سے سلطان وقت (اورنگ زیب عالم گیر) کی تربیت کے لئے دار السلطنت (دھلی) گئے۔ اس عہد کے سارے بادشاہ اور امرا۔ آپ کے فرماں بردار تھے۔

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

"در رجوع خلائق آں قدر شدہ بود کہ روزے بادشاہ زادہ محمد اعظم شاہ بخدمت ایشاں برائے توجہ می آمد و آں قدر جمہور خلائق بہ دروازہ ایشاں بود کہ از ہجوم دستار از سر بادشاہ زادہ افتادہ و بہ مشقت تمام دخول میسر شد، و بخدمت ایشاں رسیدہ توجہ شریف حاصل نمود، چوں بخدمت سلطان رسید و احوال ہجوم خلق بہ غرض رسانید والدش ازیں سخن بسیار محظوظ شد کہ الحمد اللہ کہ دریں نوع مردم اہل اللہ دریں زمانہ کہ سلاطین رابدر آں با بدیں مشقت راہ حاصل می شود" (۳۲)

(ترجمہ) آپ کے طرف لوگوں کا اس قدر رجوع ہو گیا تھا کہ ایک دن شہزادہ محمد معظم شاہ توجہ کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ آپ کے دروازے پر اس قدر لوگوں کا ہجوم تھا کہ اژدھام کی وجہ سے شہزادے کے سر سے دستار گر پڑی اور بہت ہی مشکل سے اندر جا سکے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر توجہ حاصل کی، جب اپنے والد (اورنگ زیب عالم گیر) بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور لوگوں کے ہجوم کا آپ نے ذکر کیا تو آپ کے والد یہ بات سن کر بہت لطف اندوز ہوتے کہ الحمد للہ اس زمانے میں ایسے اہل اللہ ہیں جن کے دربار میں شہزادوں کو بھی اتنی مشقت سے حاضر ہونا پڑتا ہے۔

خواجہ محمد معصوم کے پانچویں فرزند شیخ محمد صدیق کے متعلق صاحب عمدۃ المقامات لکھتے ہیں:۔

"روز آخر عمر شریف در دارالسلطنت دہلی تشریف فرما شدہ
بودند و محمد فرخ سیر کہ بادشاہ وقت بود مرید ایشاں بود وصال
ایشاں پنجم شہر جمادی الاول سنہ ہزار و صد و سی و یکم ہجری در
دارالسلطنت مذبور روتداد ازاں جا تابوت شریف ایشاں را بدار
الارشاد آوردند" (۳۳)

(ترجمہ) زندگی کے آخری ایام میں دارالسلطنت دھلی میں
تشریف رکھتے تھے۔ محمد فرخ سیر جو بادشاہ وقت تھا آپ کا
مرید تھا۔ آپ کا وصال ۵ ماہ جمادی الاول ۱۱۳۱ھ میں
دارالسلطنت دھلی میں ہوا۔ وہاں سے آپ کا تابوت دارالارشاد
(سرہند) لایا گیا۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے چھٹے صاحبزادے خواجہ محمد اشرف بقول صاحب جواہر مجددیہ، صغر سنی میں وفات پا گئے، حضرت مجدد کا جب وصال ہوا تو ساتویں صاحبزادے خواجہ محمد یحیٰ دس برس کے تھے، ان کی ولادت ۱۰۲۴ھ میں ہوئی تھی، خواجہ محمد ہاشم کشمی موصوف کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"بعد از انتقال حضرت ایشان و پس از تمامی حفظ قرآن بہ یمن
تربیت برادران بزرگوار تحصیل علوم چہ معقول و چہ منقول
بلآخر رسانیدند و باستحکام تمام واستحضار کامل بدرس کتب
متداولہ و نشر علوم بر منصہ افادہ و افاضہ اقامت دارند و بر طریقہ
انقطاع و تبتیل و آزادی و بے تعینی و ضبط اوقات و حفظ اوضاع
و ملازمت سنتہ سنیہ و رعایت ایں طریقہ علیہ بوجہ اوفر مستقیم،
و مستدیم اند چناں کہ آثار نجابت و وراثت نسبت معنویہ

بر جبیں مبین شاں شاہد عدل است و حلیہ ایشاں از قامت و
رفتار و چشم و ابرو بوالد بزرگوار خویش شباہت تمام دارد و از دلائل
قبول آں مخدوم زادہ آن ست کہ نبیرہ حضرت خواجہ باقی باللہ
دختر خواجہ کلاں خواجہ عبید اللہ سلمہ اللہ وابقاہ در حبالہ نکاح آں
گوہر صدف ولایت منسلک گردیدہ است و باجود نسبت معنوی
بہ نسبت صوری نیز شرف امتیاز یافتند۔" (۴۴)

(ترجمہ) حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے انتقال کے بعد
جب کہ قرآن پاک تو وہ پہلے ہی حفظ کر چکے تھے اپنے بڑے
بھائیوں کی تربیت سے علوم منقول و معقول کی تکمیل کی اور
پورے استحضار کے ساتھ درس و تدریس اور کتب متداولہ کے
پڑھانے میں مصرف ہو گئے ــــ۔ آپ کے حلیہ، قد و قامت
چشم و ابرو کے لحاظ سے آپ کے والد ماجد قدس سرہ سے ملتا جلتا
ہے۔ اور آپ کی مقبولیت کے لئے یہ بات کیا کم ہے کہ حضرت
خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کی پوتی یعنی حضرت خواجہ کلاں
خواجہ عبید اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ کی صاحب زادی آپ کے نکاح میں
ہیں اس طرح نسبت معنوی کے ساتھ نسبت ظاہری بھی آپ کو
حاصل ہے۔

اورنگ زیب علیہ الرحمہ نے بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر استفاضہ کیا تھا،
شاہ محمد رؤف تحریر فرماتے ہیں:۔

"اورنگ زیب بادشاہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ
کی توجہ حاصل کی اور بہت سی ملکیت آپ کی نذر کی، چنانچہ

یہ ضرب المثل ہو گیا تھا" المُلکُ لِلّٰہِ والمِلکُ لیحییٰ " (۴۵)

المختصر حضرت مجدد علیہ الرحمہ کے صاحبزادگان آسمان علم کے درخشاں
ستارے اور گلشن معرفت کے مہکتے پھول تھے، خواجہ محمد باقی باللہ (م ۱۰۱۲ھ)
نے سچ فرمایا تھا:۔

"اسرار الٰہی اند، استعداد ہائے عجیب دارند، بالجملہ شجرہ طیبہ اند
انبتہ اللہ نباتا حسنا۔" (۴۶)

تصانیف حضرت مجدد علیہ الرحمہ

حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی تالیفات و تصنیفات، آپ کی تبحر علمی پر شاہد عاد ہیں، خود آپ کے معاصر علماء و فضلاء نے آپ نگارشات کی گہرائی اور گیرائی کا اعتراف کیا ہے، چنانچہ خواجہ محمد ہاشم کشمی سے اس دور کے ایک جلیل القدر عالم نے فرمایا تھا۔

"کتب و رسائل قوم، تصنیف است یا تالیف، تالیف آنست کہ سخناں مردم رابسباق و سیاق نیکو جمع آوری و تصنیف آں کہ علوم و نکات رو دادہ خودرا بنگاری، خواہ آں نکات از محارت علمی وعلو فطرت بظہور رسیدہ باشد، خواہ بالہام ربانی و مکشوف صادقہ جلوہ گر گردیدہ، مدتہا بود کہ از میان اہل روز گار تصنیف رفتہ وہمیں تالیف ماندہ بود الا بندرت کہ بعضے مولفان در توالیف خویش از زادہ علم یا ذوق خود حرفے می آرند اکنوں انصاف این است کہ دریں خیرو زماں تصنیف متین زیبا رسائل و مکاتیب شیخ بزرگوار تست کہ ہر چند براں عبور نمودیم از دیگراں آں جا نقل نہ دیدیم الا بندرت وضرورت، بیشترش مکشوفات وملہمات خاصہ ایں بزرگ دین است وہمہ عالی و نازنین و بر فن شرع متین جزاہ اللہ عن الطالبین خیر الجزاء" (۳۷)

(ترجمہ) لوگوں کی کتابیں اور رسالے یا تو تصنیف ہیں یا تالیف ---- تالیف وہ ہے کہ دوسروں کی باتوں کو سیاق و سباق کی

مناسبت سے جمع کر دیا جائے اور تصنیف یہ ہے کہ علوم و
نکات نکال کر خود لکھا جائے خواہ وہ نکات مہارت علمی اور
بلندی فطرت کی وجہ سے ظاہر ہوئے ہوں یا الہام ربانی اور سچے
کشف سے ظہور میں آتے ہوں۔ مدت ہو گئی تھی کہ لوگوں میں
تصنیف معدوم ہو گئی تھی، یہی تالیف ہی تالیف رہ گئی تھی
مگر شاذ و نادر کہ بعض مؤلفین اپنے علم و ذوق سے چند باتیں لکھ
سکیں اب انصاف کی بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں کہ تمہارے
شیخ کی زیبا تصانیف، رسائل اور مکاتیب ہر چند کہ ان کو بغور
پڑھا دوسروں سے ان میں نقل نہیں مگر شاذ و نادر بضرورت ہر
زیادہ تر آپ کے سچے الہامات اور مکشوفات ہیں، نازنیں ہر شرع
متین کے مطابق۔۔۔۔۔

ان تصانیف میں مکاتیب خاص امتیازی شان رکھتے ہیں، یہ تین مجلدات میں ہیں ، ان کے مطالعہ سے روح کو تازگی اور دل کو زندگی ملتی ہے، تعمیر سیرت کے لیے ان مکاتیب کا مطالعہ ضروری ہے، خواجہ محمد ہاشم کشمی نے حضرت مجدد علیہ الرحمہ کی مؤلفات و مصنفات پر یہ حقیقت افروز تبصرہ کیا ہے:۔

"ایں معارف ست کہ دفاتر مکتوبات کثیر البرکات ورسائل
معادن الفتوحات متضمن آن ست و ہر معرفتے ازاں شفا بخش
دلہائے رنجوراں و مقرب دوراں و مہجوراں، نقل آنہا نُقل ہر
محفل، آوازہ شاں آویزہ گوش ہر دل، ہر فقرہ ازاں خاتم اسرار
فقر را نگینہ، و ہر فصلے ازاں جواہر اسرار وصل را خزینہ، اقلام از
مباشرت آں ارقام، نیستاں شکر، از تضمین آں کلمات

بوستان از ہر، کامہا از شرینی آں مقال بہ حلاوت ایماں ہمدوش، دلہا از صفاے آں اسرار بانوار لا یزال ہم آغوش، جامع اسرار دین و انوار یقین، مظہر راز مخفیۂ کتاب مبین، مرات جمال معانی احادیث سید المرسلین، حلاّل مشکلات کلامیہ و فقہیۃ، حاوی دقایق و معارف تشبیہ و تنزیہہ، ترجمان غوامض کلمات متقدمین کبر دستور احوال و اقوال متاخرین علما و عرفا قدس اللہ سرہ" (۳۸)

(ترجمہ) یہ وہ معارف ہیں جو کثیر البرکات مکتوبات اور معدن فتوحات رسالوں میں ہیں، ان میں سے ہر ایک معرفت بیمار دلوں کے لیے شفا بخش اور دور و مہجور لوگوں کو قریب لانے والا ہے، ان کا نقل کرنا ہر محفل کی زینت اور ان کی شہرت ہر گوش دل کا آویزہ اس کا ہر فقرا اسرار فقر کی انگوٹھی کا نگینہ ہے ان جواہر کی ہر ایک فصل، اسرار وصل کا خزینہ ہے ..... قلم، ان نگارشات کے لکھنے سے نیستان شکر بن گئے۔ صفحات ان کلمات سے پر رونق گلشن بن گئے، حلق، ان بولوں کی مٹھاس سے، ایمان کی حلاوت پا گئے، دل ان اسرار کے حسن و جمال سے انوار الٰہیہ سے ہم آغوش ہو گئے، (یہ مکاتیب کیا ہیں) اسرار دیں اور انوار یقین کے جامع ہیں، کتاب مبین قرآن کریم کے چھپے بھیدوں کو ظاہر کرتے ہیں اور سید المرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احادیث کی معانی کے حسن و جمال کی آئینے ہیں۔ فقہی اور کلامی مشکلوں کو حل کرنے والے ہیں تشبیہ و تنزیہ کے دقائق و

معارف پر حاوی ہیں، اکابر متقدین کی باتوں کی باریکیوں کے
ترجمان ہیں متاخرین علماء و عرفاء قدس سرہم کے احوال و اقوال
کے دستور ہیں۔

مکتوبات امام ربانی کی مجموعی تعداد تقریباً ۶۳۴ ہے، بعض مکاتیب تو طویل مقالات ہیں۔ مکتوبات کا فارسی متن ۱۲۹۴ھ / ۱۸۷۷ء میں دہلی سے شائع ہوا، پھر ۱۳۱۳ھ / ۱۸۹۰ء میں امرتسر سے طباعت نہایت ہی نفیس ایڈیشن شائع ہوا۔ متعدد اردو ترجمے بھی شائع ہوتے۔ عربی ترجمہ ۱۳۱۷ھ ۱۸۹۹ء میں مکہ مکرمہ سے شائع ہوا پھر فارسی متن ۱۳۹۲ھ / ۱۹۷۳ء میں استنبول (ترکی) شائع ہوا اس کے بعد عربی ترجمہ بھی وہیں سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر فضل الرحمن نے مکتوبات کے منتخبات کا انگریزی ترجمہ ۱۳۸۸ھ / ۱۹۶۸ء میں کراچی سے شائع کیا۔ مکتوبات کی شروح و حواش بھی لکھے گئے۔ مکتوبات شریف پر بعض فضلاء نے ڈاکٹریٹ بھی کیا ہے، مثلاً ڈاکٹر سراج احمد نے کراچی یونیورسٹی اور ڈاکٹر بابر بیگ عطائی نے پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے ڈاکٹریٹ کیا ہے مکتوبات امام ربانی علوم و فنون کا ایک خزانہ ہیں، اس کی روشنی میں بہت سے قدیم و جدید موضوعات پر ڈاکٹریٹ کیا جا سکتا ہے۔

اب ہم مکتوبات امام ربانی کے ساتھ ساتھ دوسری تصانیف کی تفصیلات پیش کرتے ہیں:

(۱) الرسالہ فی اثبات النبوہ (عربی) (۳۹)

(۲) تعلیقات العوارف (۴۰)

(۳) الحاشیہ علی شرح العقائد الجلالی (۴۱)

(۴) المقدمتہ السنیہ فی انتصا الفرقتہ السنیہ (۴۲) (معربہ شاہ ولی اللہ دہلوی)

(۵) "درالمعرفت" ، جلد اول ، مکتوبات شریف۔ مرتبہ مولانا یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی۔ تعداد مکتوبات ۳۱۳، سنہ تالیف ۱۰۲۵ھ۔

(۶) "نور الخلائق" ، جلد دوم ، مکتوبات شریف مرتبہ مولانا عبدالحئی حصاری، تعداد مکتوبات ۹۹ ، سنہ تالیف ۱۰۲۸ھ

(۷) "معرفتہ الحقائق" جلد سوم مکتوبات شریف ، مرتبہ مولانہ محمد ہاشم کشمی برہانپوری، تعداد مکتوبات ۲۲۲، سنہ تالیف ۱۰۳۱ھ

(۸) مبداء و معاد

(۹) مکاشفات غیبیہ

(۱۰) معارف لدنیہ

(۱۱) ردالرفضہ

(۱۲) شرح رباعیات خواجہ بیرنگ

(۱۳) رسالہ تعیین ولا تعین

(۱۴) رسالہ مقصوذ الصالحین

(۱۵) رسالہ دربیان مسئلہ وحدت الوجود

(۱۶) آداب المریدین

(۱۷) رسالہ جذب و سلوک

(۱۸) رسالہ علم حدیث (۴۳)

(۱۹) رسالہ حالات خواجگان نقشبندیہ (۴۴)

(۲۰) مجموعہ تصوف (۴۵)

(۲۱) رسالہ تہلیلیہ۔ وغیرہ وغیرہ

حواشی باب ششم وغیرہ

۱ وکیل احمد سکندری پوری، ہدیہ مجددیہ، مطبوعہ دہلی، ۱۳۰۹ھ ص ۹۸

۲ ہدیہ مجددیہ، ص ۹۸

۳ شاہ غلام علی، مکاتیب شریفہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۱ھ ص ۵ مکتوب اول

۴ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتی، ارشاد الطالبین، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۱ھ ص ۶۳

۵ شیخ عبدالحق، اخبار الاخیار، مطبوعہ دہلی، ۱۳۳۲ھ ص ۳۲۶ (ضمیمہ)

۶ خواجہ محمد ہاشم کشمی، زبدۃ المقامات، مطبوعہ کانپور، ۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء، ص ۲۱۸

۷ زبدۃ المقامات ص ۲۱۵

۸ تذکرہ علمائے ہند مؤلفہ مولانا رحمان علی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۱۴ء ص ۱۱

۹ سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان، مطبوعہ ۱۳۱۳ ص ۴۷

۱۰ محمد منظور نعمانی، تذکرہ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۵۹ء ص ۳۰۳

۱۱ شاہ غلام علی دہلوی، ایضاح الطریقہ، مطبوعہ لاہور ۱۳۷۶ھ ص ۵۶

۱۲ نواب صدیق حسن خاں، تقصار الجیود (ص ۱۱۱-۱۲) بحوالہ تذکرہ مجدد الف ثانی مرتبہ محمد منظور نعمانی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۹۵۹ء ص ۳۰۷

۱۳ نواب صدیق حسن خاں، ریاض المرتاض، ص ۱۲۱-۲۲ بحوالہ مذکور

۱۴ مکتوبات امام احمد رضا خاں بریلوی، مطبوعہ لاہور، ص ۹۰-۹۱

۱۵ زبدۃ المقامات ص ۱۴۵

۱۶ زبدۃ المقامات ص ۳۰۱

۱۷ مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی، مکتوب نمبر ۲۰۷ دفتر اول

۱۸ مکتوبات، مکتوب نمبر ۲۰۷ دفتر اول

۱۹ مکتوبات، مکتوب نمبر ۱۴۴ دفتر اول

۲۰ مکتوبات، مکتوب نمبر ۳۱۱ دفتر اول

۲۱ زبدۃ المقامات، ص ۳۰۴-۵

۲۲ زبدۃ المقامات، ص ۳۰۴-۵

۲۳ زبدۃ المقامات، ص ۳۰۵

۲۴ زبدۃ المقامات، ص ۳۰۹

۲۵ زبدۃ المقامات، ص ۳۰۹

۲۶ زبدۃ المقامات، ص ۳۱۵-۱۶

۲۷ زبدۃ المقامات، ص ۳۱۶

۲۸ زبدۃ المقامات، ص ۳۱۷-۱۸

۲۹ شیخ محمد اکرام، رود کوثر مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء ۲۸۷

۲۰ رود کوثر، ص۔ ۲۸۸

۲۱ شاہ محمد فضل اللہ، عمدۃ المقامات، مطبوعہ لاہور ۱۳۵۵ھ ص ۳۹۲

۲۲ عمدۃ المقامات، ص ۴۔۳۹۳

۲۳ عمدۃ المقامات، ص ۳۹۵

۲۴ زبدۃ المقامات، ص ۳۲۶

۲۵ شاہ محمد رؤف، جواہر علویہ، مطبوعہ لاہور ص ۱۰۳

۲۶ زبدۃ المقامات ص ۳۰۹

۲۷ زبدۃ المقامات، ص ۱۶۔۲۱۵

۲۸ زبدۃ المقامات، ص ۲۴۔۲۲۳

۲۹ Dr.Zubaid Ahmed: Contributioin of India to Arabic literature, Allahabad, 1945, pp.98 and 325

۴۰ Contribution of India to Arabic literature, pp.98 and 325

۴۱ Contributioin of India to Arabic literature, pp.98 and 325

۴۲ Contributioin of India to Arabic literature, pp.98 and 325

۴۳ خواجہ محمد حسین خاں، جواہر مجددیہ، مطبوعہ لاہور ص ۵۷

۴۴ جواہر مجددیہ، ص ۵۷

۴۵ Charles Rieu: Catalogue of the Persian Manuscripts in the British Museum, Vol III, p.1058, London, 1883.

رجالیات (مع سنین وفات)

شخصیت	سنہ ہجری / سنہ عیسوی
احمد سرہندی، شیخ	۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء
ابوالفضل، شیخ	۱۰۱۱ھ / ۱۶۰۲ء
ابوالفیض فیضی، شیخ	۱۰۰۴ھ / ۱۰۹۵ء
ابوالکلام آزاد	۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء
امام غزالی	۵۰۵ھ / ۱۱۱۱ء
اورنگ زیب، بادشاہ	۱۱۱۹ھ / ۱۷۰۷ء
ابوالفتح گیلانی	۹۹۷ھ / ۱۵۸۸ء
اسمٰعیل دہلوی	۱۲۴۶ھ
الکنگی، خواجہ	۱۰۰۸-۱۰ھ / ۱۵۹۹ء یا ۱۶۰۰۱ء
بہرام خان	۹۶۷ھ / ۱۵۵۹ء
جلال الدین محمد اکبر بادشاہ	۱۰۱۴ھ / ۱۶۰۵
جلال الدین، بخاری، شیخ	۷۸۵ھ / ۱۳۸۳ء
حسام الدین، خواجہ	۱۰۴۳ھ / ۱۶۳۳ء
حکیم ہمام	۱۰۰۳ھ / ۱۵۹۴ء
دارا شکوہ	۱۰۷۰ھ / ۱۶۵۹ء؟
رکن الدین، شیخ	۹۸۳ھ / ۱۵۷۵ء
سکندر، شاہ	۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء

(۲۰۰)

سلیم چشتی، شیخ	۹۷۹ھ / ۱۵۷۱ء
سیف الدین، خواجہ	۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۴ء
سید احمد بریلوی	۱۲۴۶ھ / ۱۸۳۰
سلیمان ندوی، سید	۱۳۷۳ھ / ۱۹۵۳ء
شاہ ولی اللہ، محدث دہلوی	۱۱۷۶ھ / ۱۷۶۳ء
شاہ جہاں، بادشاہ	۱۰۶۹ھ / ۱۶۵۸ء
شاہ رفیع الدین، محدث دہلوی	۱۱۸۴ھ / ۱۷۷۰ء
عبدالحکیم سیال کوٹی، علامہ	۱۰۶۷ھ / ۱۶۵۶
عبدالقادر بدایونی، ملا	۱۰۰۴ھ / ۱۵۹۵ء
عبدالحق محدث دہلوی، شیخ	۱۰۵۲ھ / ۱۶۴۳ء
عبدالقدوس گنگوہی، شیخ	۹۴۴ھ / ۱۵۳۷
عبدالاحد، خواجہ	۱۰۰۷ھ / ۱۵۹۸ء
عبدالرحیم خان خاناں	۱۰۳۶ھ / ۱۶۲۴ء
غلام علی، شاہ	۱۲۴۰ھ؟ / ۱۸۲۴ء
غلام یحییٰ، مولوی	۱۱۹۵ھ / ۱۷۸۰ء
کمال کیتھلی، شاہ	۹۸۱ھ / ۱۵۷۳ء
محمد فضل اللہ، شاہ	۱۲۴۱ھ / ۱۸۲۵ء
مبارک ناگوری، شیخ	۱۰۰۱ھ / ۱۵۹۲ء
محمد صادق، خواجہ	۱۰۲۴-۵ھ / ۱۶۱۵-۱۶ء
محمد سعید، خواجہ	۱۰۷۰ھ / ۱۶۶۰ء
محمد معصوم، خواجہ	۱۰۷۹ھ / ۱۶۶۸ء

(۲۰۱)

محمد یحییٰ، خواجہ	۱۰۹۶ھ / ۱۶۸۴ء
معین الدین چشتی، خواجہ	۶۳۳ھ / ۱۲۳۴ء
محی الدین ابن العربی، شیخ	۶۳۸ھ / ۱۲۴۰ء
منصور الحلاج	۳۱۰ھ / ۹۲۲ء
میر ناصر عندلیب، خواجہ	۱۱۵۳ھ
میر درد، خواجہ	۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۴ء
مرزا مظہر جان جاناں، خواجہ	۱۱۹۴ھ / ۱۷۸۰ء
محمد باقی باللہ، خواجہ	۱۰۱۲ھ / ۱۶۰۳ء
محمد نعمان کشمی، خواجہ	۱۰۵۸ھ / ۱۶۴۸ء
محمد ہمایوں، بادشاہ	۹۶۴ھ / ۱۵۵۶ء
نورالحق، شیخ	۱۰۷۳ھ / ۱۶۶۲ء
نورالدین جہاں گیر، بادشاہ	۱۰۳۷ھ / ۱۶۲۷

کتابیات

(ذیل میں ان عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کتابوں کی فہرست پیش کی جارہی ہے جن سے مقالہ ہذا کی تیاری میں بلا واسطہ یا بالواسطہ مدد لی گئی۔ "مسعود")

عربی

۱۔ غلام علی آزاد بلگرامی، سبحۃ المرجان فی آثار ھندوستان (۱۱۷۷ھ / ۶۴-۱۷۶۳ء) مطبوعہ ۱۳۰۳ھ

۲۔ وکیل احمد سکندر پوری، الکلام المنجی برد ایرادات البرزنجی، مطبوعہ دھلی ۱۳۱۲ھ۔

۳۔ فقیر محمد، حدائق الحنفیہ، لکھنؤ، ۱۳۷۸ھ / ۱۹۵۸ء۔

۴۔ عبدالحی الحسینی، الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند، مطبوعہ ھند

۵۔ مصطفے صابری، موقف العقل والعلم والعالم، مطبوعہ قاھرہ، ۱۳۲۹ھ / ۱۹۵۰ء۔

فارسی

۶۔ احمد سرھندی،

(۱) "درالمعرفت" (۱۰۲۵ھ / ۱۶۱۶ء)، جلد اول مکتوبات شریف مرتبہ خواجہ یار محمد بدخشی، مطبوعہ روزبازار پریس، امرتسر، ۱۳۳۳ھ

(ب) "نورالخلائق" (۱۰۲۹ھ / ۱۶۱۹ء) جلد دوم مکتوبات شریف۔
مرتبہ خواجہ عبدالحیّ، مطبوعہ روز بازار پریس۔ امر تسر ۱۳۳۳ھ
(ج) "معرفت الحقائق" (۱۰۳۲ھ / ۱۶۲۲ء) جلد سوم مکتوبات شریف
، مرتبہ خواجہ محمد ہاشم کشمی، مطبوعہ روز بازار پریس۔ امر تسر۔ ۱۳۳۳ھ)
۷۔ احمد سرہندی، مبدا و معاد، مطبوعہ آفتاب عالم پریس، لاہور، ۱۳۷۶ھ
۸۔ محمد معصوم، خواجہ
(ا) مکتوبات شریف، جلد اول (۱۰۳۶ھ)، قلمی مکتوبہ ۱۱۵۰ھ مخزونہ
کتب خانہ پیر محمد اسحاق جان سرہندی (مرحوم)، میر پور خاص، سندھ
(ب) مکتوبات شریف، جلد دوم (۱۰۷۳ھ)، مرتبہ خواجہ شریف الدین
حسین بن میر عمادالدین محمد الحسینی الہردی، قلمی، مکتوبہ ۱۱۱۰ھ
(ج) مکتوبات شریف، جلد سوم (۱۰۷۳ھ) مرتبہ حاجی محمد عاشور بن حاجی
مرزا محمد البخاری الحسینی، قلمی، مکتوبہ ۱۱۳۰ھ۔
۹۔ محمد ہاشم کشمی: زبدۃ المقامات (۱۰۳۷ھ / ۸۔۱۶۲۷ء) مطبوعہ کانپور
۱۳۰۷ھ / ۱۸۹۰ء۔
۱۰۔ بدرالدین سرہندی: حضرات القدس، مطبوعہ لاہور ۱۳۴۰ھ
۱۱۔ محمد غوثی شطاری: گل زار ابرار (۱۰۲۲ھ / ۱۶۱۳ء)
۱۲۔ محمد باقر لاہوری: کنزالہدایۃ، مطبوعہ امر تسر، ۱۳۳۵ھ / ۱۹۱۷ء۔
۱۳۔ غلام سرور لاہوری: خزینۃ الاصفیاء، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۸۷۳ء۔
۱۴۔ غلام علی شاہ: مکاتیب شریفہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۱ھ
۱۵۔ غلام علی شاہ: ایضاح الطریقہ، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۶ھ
۱۶۔ ثناء اللہ پانی پتی: ارشاد الطالبین، مطبوعہ لاہور، ۱۳۷۶ھ

۱۷۔ عبدالحق محدث دہلوی : کتاب المکاتیب والرسائل الی ارباب الکمال والفضائل، مطبوعہ دھلی : ۱۳۳۲ھ

۱۸۔ عبدالحق محدث دہلوی : اخبار الاخیار، مطبوعہ دھلی، ۱۳۳۲ھ

۱۹۔ غلام معین الدین عبداللہ : معارج الولایت (۱۰۹۴ھ)

۲۰۔ بختاور خاں : مرآۃ العالم (۱۰۷۸ھ)

۲۱۔ بختاور خاں : ریاض الاولیاء (۱۰۹۰ھ)

۲۲۔ غلام علی آزاد بلگرامی : مآثر الکرام، مطبوعہ آگرہ، ۱۳۲۸ھ

۲۳۔ عبدالقادر بدایونی : منتخب التواریخ، جلد دوم مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۶۹ء۔

۲۴۔ نورالدین جہاں گیر : تزک جہاں گیری، مطبوعہ لاہور

۲۵۔ محمد فضل اللہ : عمدۃ المقامات (۱۲۳۳ھ)، مطبوعہ لاہور، ۱۳۵۵ھ

۲۶۔ داراشکوہ : سفینۃ الاولیاء مترجمہ محمد علی لطفی، مطبوعہ کراچی، ۱۹۵۹ء۔

۲۷۔ محمد امین نقشبندی : مقامات احمدیہ۔ (۱۰۶۸ھ)

۲۸۔ وکیل احمد سکندر پوری : ھدیہ مجددیہ، مطبوعہ دھلی، ۱۳۰۹ھ

۲۹۔ وکیل احمد سکندر پوی : انوار احمدیہ، مطبوعہ دھلی، ۱۳۰۹ھ

۳۰۔ عبداللہ جان آغا : فیض البرکات من عین المکتوبات، مطبوعہ لاہور

۳۱۔ احمد ابوالخیر المکی : ھدیہ احمدیہ، مطبوعہ کانپور، ۱۳۱۳ھ

۳۲۔ محمد رؤف شاہ : جواھر علویہ، مطبوعہ لاہور

۳۳۔ رحمان علی : تذکرہ علمائے ھند، مطبوعہ لکھنؤ، ۱۹۱۴ء۔

۳۴۔ کمال الدین محمد احسان : روضۃ القیومیہ، مطبوعہ لاہور

۳۵۔ بدرالدین سرھندی۔

(۱) مجمع الاولیاء۔ (۱۰۴۴ھ / ۵-۱۶۳۴ء) مخزونہ انڈیا آفس لائبریری،

لندن

(ب) درجات الابرار (۱۰۴۳ھ)

۳۶۔ محمد صادق کشمیری ہمدانی: کلمات صادقین (۱۰۲۳ھ / ۱۶۱۴ء)

۳۷۔ عبدالاحد: السلسلۃ الذھبیہ فی احوال اکابر نقشبندیہ، مطبوعہ دھلی ۱۳۱۸ھ۔

۳۸۔ عبدالباقی نہاوندی: مآثر رحیمی، جلد اول، مطبوعہ کلکتہ ۱۹۲۴ء۔

۳۹۔ محسن فانی: دبستان المذاھب، بمبئی، ۱۲۴۲ھ / ۱۸۲۶ء۔

۴۰۔ نظام الدین احمد: طبقات اکبری، لکھنؤ، ۱۲۹۲ھ / ۱۸۷۵ء۔

۴۱۔ محمد ساقی مستعد خاں: عالمگیر نامہ، مطبوعہ کلکتہ، ۱۸۷۰ء۔

۴۲۔ غلام یحییٰ: کلمۃ الحق (۱۱۸۴ھ)

۴۳۔ ولایت علی شاہ: سیرت مجدد، مطبوعہ لاہور، ۱۹۲۸ھ

۴۴۔ محمد امین بدخشانی: مناقب الحضرات، (مخطوطہ، لندن) ۱۱۴۰ء / ۱۷۳۱ھ

اردو

۴۵۔ پروفیسر فرمان علی: حیات مجدد، مطبوعہ لاہور ۱۹۰۵ء۔

۴۶۔ محمد میاں: علماء ھند کی شاندار ماضی، مطبوعہ دھلی ۱۳۵۸ء۔

۴۷۔ محمد معشوق حسین: حالات نور الدین، جہاں گیر، مطبوعہ آگرہ

۴۸۔ گوردھن داس بھار گو: عبدالرحیم خان خاناں، مطبوعہ حیدر آباد دکن

۴۹۔ منشی دیبی پرشاد: خان خاناں نامہ، مطبوعہ متھرا ۱۸۹۲ء۔

۵۰۔ محمد حسن: حالات مشائخ نقشبند، مطبوعہ لاہور

۵۱۔ شیخ محمد اکرام: رود کوثر، مطبوعہ لاہور ۱۹۵۸ء۔

۵۲۔ سید سلیمان ندوی: خطبات مدراس، مطبوعہ کراچی ۱۹۵۲ء۔

۵۳۔ ابوالکلام آزاد: تذکرہ، مطبوعہ لاہور

۵۴۔ ڈاکٹر گستاؤلی بان: تمدن ھند مطبوعہ آگرہ ۱۹۱۳ء۔

۵۵۔ برہان احمد فاروقی: مجدد الف ثانی کا نظریہ توحید، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء۔

۵۶۔ حبیب اللہ خاں شیروانی: قرۃ العین، مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۳۴۲ء۔

۵۷۔ ابوالفضل محمد احسان اللہ عباسی: سوانح عمری حضرت مجدد الف ثانی سرہندی، مطبوعہ دھلی، ۱۹۲۶ء۔

۵۸۔ محمد منظور نعمانی: تذکرہ مجدد الف ثانی، مطبوعہ لکھنو، ۱۹۰۹ء۔

۵۹۔ محمد منظور نعمانی: "الفرقان" (شاہ ولی اللہ نمبر) ۱۳۶۰ھ / ۱۹۴۰ء۔

۶۰۔ مفتی ذکاء اللہ: اقبال نامہ اکبری، مطبوعہ دھلی ۱۸۹۷ء۔

۶۱۔ محمد حسین آزاد: دربار اکبری، مطبوعہ لاہور ۱۹۴۷ء۔

۶۲۔ ڈاکٹر تارا چند: تمدن ھند پر اسلامی اثرات، مترجمہ (راقم)، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۴ء۔

۶۳۔ شاہ محمد ہدایت علی: درلاثانی، مطبوعہ کانپور

۶۴۔ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی: تراجم علمائے حدیث ھند، مطبوعہ دھلی ۱۳۰۶ھ / ۱۹۳۸ء۔

۶۵۔ احمد حسین: جواھر مجددیہ مطبوعہ لاہور

۶۶۔ نظامی بدایونی: قاموس المشاھیر، مطبوعہ بدایوں، ۱۹۲۴ء۔

۶۷۔ نورالدین جہاں گیر: تزک جہاں گیری، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ء۔

انگریزی

68. Dr. Inayatullah: The Encyclopaedia of Islam, Vol I, Fasciculus 5, London (New Edition).

69. Jams Hasting: The Encyclopaedia of Religious and Ethics, Vol.VIII-1930 (T.W.Arnold).

70. T.W. Arnold: The Preaching of Islam, 1956.

71. Dr. Yusuf Husain: Glimpses of Medieval Indian Culture, 1959.

72. H. A. R. Gibb: Mohammadanism, 1955..

73. I.C.Powell Price: A History of India, London, 1958.

74. Dr. Zubaid Ahmad: The Contribution of India to Arabic Litrature, Allahabad, 1945.

75. Dr. R P. Tripathi: Rise and Fall of the Mughal Empie, 1956

76. C. A. Story: The Persian Literature. Vol I, Part II (biography) London, 1953.

77. Dr. Muhammad Iqbal: Reconstruction of Religious Thought in Islam, Lahore-1944.

78. Thomas William Beale: Qriental Biographical Dictionary, Calcutta, 1881.

79. Olaf Caroe: The Pathans, New York, 1958

80. Wm. Theodre de Bary etc: Sources of Indian Tradition, New York, 1959.

81. S. Edwardes et: Mughal Rule in India. London - 1930.

82. Abbul Fazal: Akbar Nama (English) By H. Beveridge, Vol. III, Calcutta, 1910

83. S.T. Arnold etc: The Legacy of Islam. London, 1952 (Micholson)

84. Jamil Ahmad: The Heritage of Islam, Lahore.

85. G.T. Garratt: The Legacy of India, Oxford-1951.

وکونوا مع الصادقین

اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ